سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

اپنے افکار و نظریات کے آئینہ میں

حصہ اول و دوم

مصنف
مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

مترجم
مولانا اعجاز احمد اعظمی

ادارۂ دعوۃ الاسلام مئوناتھ بھنجن

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

حصہ اول ودوم

مصنف

مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

مترجم

مولانا اعجاز احمد اعظمی

ناشر

ادارہ دعوۃ الاسلام
مئوناتھ بھنجن مئو۔ یو،پی۔ انڈیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ
اپنے افکار و نظریات کے آئینہ میں
مولف : مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ
مترجم : مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
طبع اول : مارچ ۱۹۸۰ء
طبع دوم : فروری ۲۰۱۱ء
صفحات : 184
قیمت : RS. 95/=

ملنے کے پتے

مکتبہ ضیاء الکتب مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)
پن کوڈ: 276121 (موبائل: 9235327576)

فہیم بک ڈپو صدر چوک مئوناتھ بھنجن، مئو	دکن ٹریڈرس مغل پورہ، حیدرآباد
کتب خانہ نعیمیہ جامع مسجد دیوبند	فیصل پبلی کیشنز جامع مسجد دیوبند
القرآن پبلیکیشنز میسومہ بازار، سری نگر	مرکز الآثار الاسلامی پرانی حویلی، حیدرآباد
چارمینار بک سینٹر چارمینار مسجد، بنگلور	دار المعارف بھنڈی بازار، ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب سے پہلے

یہ کتاب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی عربی کتاب ”**الاستاذ المودودی وشیٔ من حیاته وأفكاره**“ کا اردو ترجمہ ہے، جس میں مودودی صاحب کے افکار ونظریات کا منصفانہ تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ یہ کتاب دراصل عالم عرب کے لئے لکھی گئی تھی، مگر ضرورت اس کی بھی تھی کہ اسے برصغیر میں بھی عام کیا جائے تا کہ مودودی صاحب کے افکار ونظریات کی کجی اور ان کے قلم کی شوخی و بے احتیاطی سے یہاں کے لوگ بھی واقف ہوں، اسی لئے مفتی عبد القدوس صاحب رومی، مفتی شہر آگرہ نے چاہا کہ اس کا اردو میں ترجمہ ہو جائے، اس کام کیلئے انھوں نے مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کو مامور کیا، مولانا موصوف نے اس کا نہایت سلیس ورواں دواں اردو ترجمہ کر دیا۔ اور یہ کتاب دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کی مناسبت سے نہایت عجلت میں ۱۹۸۰ء میں شائع ہوگئی، مگر عجلت کی وجہ سے مترجم مدظلہٗ کتابت شدہ پروف نہ دیکھ سکے، اور کاتب صاحب بھی جماعت اسلامی سے خاصے متاثر تھے، جس کا انھوں نے بھرپور انتقام لیا اور جان بوجھ کر ایسی ایسی غلطیاں کیں کہ **الامان والحفیظ**! اور دونوں حصہ کی کتابت بھی الگ الگ سائز پر کر دی، جس کی وجہ سے یہ دو سائز میں نہایت بدنما اور اغلاط سے پُر شائع ہوئی، کتابت کے اغلاط کی وجہ سے اس سے استفادہ ایک مشکل امر بن گیا تھا، اس لئے ایک عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اسے از سر نو کتابت کروا کے تصحیح کے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے۔

چنانچہ اسے کتابت و تصحیح کے بعد ہمارے محترم دوست مولانا شمشیر احمد قاسمی کی عنایت وتوجہ سے مکتبہ عکاظ دیوبند سے شائع کیا جا رہا ہے۔ باری تعالیٰ اسے حسن قبولیت سے نوازیں۔

ضیاء الحق خیر آبادی
یکم رمئی ۲۰۰۸ء جمعرات

☆☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین

﴿حصہ اوّل﴾

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
☆☆	کتاب سے پہلے (از: مولانا ضیاء الحق خیر آبادی)	۳
۱	مقدمہ (از: مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی)	۷
۲	حرف اول	۳۵
۳	گزارش احوالِ واقعی	۳۸
۴	مودودی صاحب کے نظریات	۵۵
۵	بحث ونظر	۵۶
۶	مودودی صاحب اور حکمت عملی	۶۳
۷	بحث ونظر	۶۴
۸	مودودی صاحب اور عصمت انبیاء	۶۶
۹	بحث ونظر	۶۶
۱۰	مودودی صاحب اور اقامت حکومت	۶۸
۱۱	بحث ونظر	۶۸
۱۲	مودودی صاحب اور دین ہدیٰ	۷۱
۱۳	بحث ونظر	۷۲
۱۴	حرم محترم کے باشندے اور مودودی صاحب	۷۴

۱۵	بحث ونظر	۷۵
۱۶	ظہورِ دجال اور مودودی صاحب	۷۷
۱۷	بحث ونظر	۷۷
۱۸	سعودی حکومت اور مودودی صاحب	۸۰
۱۹	طلقاء صحابہ اور مودودی صاحب	۸۴
۲۰	بحث ونظر	۸۴
۲۱	دستور جماعت اسلامی اور مودودی صاحب	۸۷
۲۲	قرارداد	۹۴
☆☆	**فہرست حصہ دوم**	☆☆
۱	تمہید	۹۸
۲	تفہیم القرآن اور مودودی صاحب (از: مولانا اعجاز احمد اعظمی)	۹۹
۳	پیش لفظ (از: حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ)	۱۴۰
۴	تفہیم القرآن پر ایک انتقاد	۱۴۴
۵	تفہیم القرآن کے متعلق غلو اور اس کے نتائج	۱۴۶
۶	مودودی صاحب کی تحریک وتفسیر کے اثرات	۱۴۷
۷	پہلا تاثر	۱۴۸
۸	دوسرا تاثر	۱۴۸
۹	تیسرا تاثر	۱۴۹
۱۰	چوتھا تاثر	۱۵۰
۱۱	صحابہ پر اعتراض	۱۵۲
۱۲	سیّد قطب کی عبارت نہ سمجھی	۱۵۴

۱۳	سماوات میں تشکیک	۱۵۶
۱۴	سیّد قطب کی بات سمجھنے میں پھر غلطی	۱۵۹
۱۵	رفع طور میں تحریف	۱۶۱
۱۶	پھر وہی ناسمجھی	۱۶۱
۱۷	کیا ابراہیم علیہ السلام استدلالی موحد تھے؟	۱۶۲
۱۸	مودودی صاحب کی ایک بڑی خیانت	۱۶۵
۱۹	صحیح روایت کا انکار اور معجزہ سے فرار	۱۶۷
۲۰	حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں بدگوئی	۱۶۸
۲۱	حضرت نوح علیہ السلام پر بہتان	۱۷۳
۲۲	دعوی عصمت	۱۷۴
۲۳	آدم علیہ السلام زد میں	۱۷۵
۲۴	ایک اہم نکتہ	۱۷۶
۲۵	تاریخ کے ساتھ مذاق	۱۷۸
۲۶	کیا حضرت یوسف علیہ السلام ڈکٹیٹر تھے؟	۱۸۲
۲۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نوازش	۱۸۳
۲۸	تمام انبیاء زد میں	۱۸۴
۲۹	انبیاء پر دوسری زد	۱۸۵
۳۰	بخاری کی روایت کا انکار اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں شرمناک تعبیر	۱۸۶
۳۱	خلاصۂ کلام	۱۸۹

☆☆☆☆☆☆☆

مُقَدّمَہ

مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ کو کون نہیں جانتا؟ ہندوپاک کے نامور محدث، علومِ انورشاہ کے محافظ وپاسبان، سنت رسول کے شارح وترجمان، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سابق شیخ الحدیث، مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر، عارفِ خدا، عاشقِ رسول، ناموسِ ملت پر مرمٹنے والے، ہر شجرۂ ضلالت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے، حقانیت کے شیدا، باطل کے لئے شمشیر برہنہ، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کے بانی ومؤسس، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے روحِ رواں! ابھی ایک سال کا عرصہ گذرا ہے کہ ہمارے درمیان موجود تھے، اور اب جوارِ رحمت میں جاپہونچے، اللہ ان کی قبر کوانوار سے بھردے۔ اسلام کا یہ مایہ نازفرزند کیا کیا کارنامے انجام دے گیا، اسے تو ”بینات“ کے صفحات بتائیں گے، ہمیں تو محض یہ ذکر کرنا ہے کہ ہماری موجودہ صدی جوفتنوں کے سیلاب اور ضلالت کے طوفان کا گویا عہدِ شباب ہے، اس نے ان گنت فتنے اٹھائے، کچھ مٹ گئے، کچھ باقی ہیں۔ یہ فتنے تحریکات کی صورت میں اُٹھے، بڑے کروفر سے اُٹھے، جب کوئی تحریک اٹھی ایسا محسوس ہوا کہ اب تک کی تمام نظریاتی بنیادیں اور جماعتی عمارتیں منہدم ہوجائیں گی، اوراب سکہ صرف اسی ایک تحریک کا بساطِ عالم پر رواں ہوگا، عقلیں متحیر ہوگئیں، تجربات نے دانتوں تلے انگلی دبائی، دانائیاں چکرا کررہ گئیں، اب نظامِ قدیم درہم برہم ہوا! اب رسمِ کہن کی بنیادیں ہلیں، اب زمانے کی صفوں میں شگاف پڑا! اب نظامِ نو کی کارفرمائی ہوئی، مگر پھرایسا معلوم

ہوا جیسے بگولہ اٹھا تھا، بیٹھ گیا، پانی کا بلبلہ ابھرا تھا، ٹوٹ گیا، پھر وہی پرانی روایات، پھر وہی پرانی ڈگر، نہ جانے تحریکیں کہاں دفن ہوئیں اور اس کے بانیین کس غار میں جا چھپے۔ فہرست گنانے کی ضرورت نہیں، تاریخ کے صفحات میں ان کے نقش باقی رہ گئے ہیں، اوراق الٹیئے اور ایک ایک کا نظارہ کر لیجئے۔

ہمیں تو اس وقت ایک ایسی تحریک کا تعارف کرانا ہے، جو تقریباً تیس برس ہوئے بڑے طمطراق سے اٹھی، بڑا طنطنہ دکھایا، اپنے پیچھے ایک طوفان لائی، دعوؤں اور نعروں کا طوفان، تنقید وتبصرہ کا طوفان، جرأت وبے باکی کا طوفان، کتابوں اور لٹریچر کا طوفان! پھر یہ طوفان جماعتی روپ دھار کر وقت کے سمندر میں کود پڑا، چلا اور بڑھا، یہ طوفان اسلام کا نام لے کر اٹھا تھا، تجدید دین کا نعرہ لگاتا ہوا اٹھا تھا، مسلمانوں کی نگاہیں اس پر جم گئیں، اب انقلاب آیا تب انقلاب آیا مگر................مگر اس کا تو عالم ہی الگ ہے، اس کا دھارا دیکھو! کدھر مڑ رہا ہے، اس کا حملہ کس پر ہو رہا ہے؟ یہ نظامِ باطل کی توڑ پھوڑ کرنے والا، خود اپنے ہی دین کی بنیادیں کھوکھلی کرنے لگا، اسلام کے حاملین پر تنقید، اسلام کے پاسبانوں پر ضرب، دینی عقائد پر تیشہ زنی، عبادات کی الٹی تعبیر، دین کی غلط تفسیر! علماء نے محسوس کیا، فراست والوں نے خطرہ دیکھا، کچھ لوگ اٹھے، اس طوفان کو روکنا چاہا، مگر وہ کہاں رکتا، یہی بیچارے مطعون کئے گئے، باطل کے خدمت گار کہے گئے، ان پر چھینٹے اڑائے گئے، تاہم ہمت والے کب ہمت ہارتے، آخر اس طوفان کی تیز رفتاری روک ہی دی، مگر فتنہ مٹا نہیں، اپنا کام اب تک کئے جا رہا ہے، روکنے والے بھی مصروفِ کار ہیں۔ آپ سمجھے کون سا طوفان؟ **جماعت اسلامی کا طوفان! فتنۂ مودودیت کا طوفان!**

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ بھی عمر کے آخری حصے میں اس کا دھارا موڑنے کے لئے اٹھے۔ ’’بصائر وعبر‘‘ کے تحت ’’بینات‘‘ میں بہت کچھ لکھا۔ ’’الاستاذ المودودی‘‘ کے نام سے ایک عربی رسالہ دو حصوں میں تالیف کیا، فتنے کی ہلاکت خیزیوں سے آگاہ کیا، رسالہ درحقیقت عرب دنیا کے لئے لکھا گیا تھا مگر ضرورت تھی کہ ہندوپاک کی زبان میں بھی پڑھا جاتا، خدا بھلا کرے مولانا عبدالقدوس رومی مدظلہٗ (مفتی شہر آگرہ) کا، انھوں نے ترجمہ کی ٹھانی، اور حوالے مجھ ناتواں کے کیا، ترجمہ تو کردیا، بھلا یا برا آپ کے سامنے ہے، مولانا کی عربیت اعلیٰ، زبان عالمانہ، اُسلوب منفرد، میں بیچارہ کہاں تک ساتھ دیتا، تاہم جہاں تک بن پڑا نبھایا، خدا قبول کرے۔

لیکن رسالہ پڑھنے سے پہلے کچھ باتیں مجھ سے بھی سن لیں، ردِ مودودیت میں پیش پیش کون ہیں؟ علماءِ دیوبند! اور کس کو پڑی ہے، قادیانی فتنہ ہو تو یہ آگے بڑھیں، بریلوی فتنہ ہو تو یہ اٹھیں، انکارِ حدیث کا فتنہ ہو تو یہ میدان میں اتریں، یہاں بھی یہی آگے نظر آئے، بہت کچھ لکھا گیا، کتابیں لکھی گئیں۔ چھوٹی بھی بڑی بھی، رسالے بھی شائع ہوئے، فتوے بھی دئے گئے، مضامین بھی چھپے، جماعت اسلامی کے مجاہدین نے بھی جواب دئے، قلمی معرکے ہوئے، آویزشیں ہوئیں، سلسلہ چلتا رہا، اب بھی چل رہا ہے، جب بھی کوئی کتاب شائع ہوتی تو جماعت اسلامی غل مچاتی ’’بہتان لگاتے ہیں، اتہام تراشی کرتے ہیں، لب ولہجہ شریفانہ نہیں ہوتا، فتوے جڑتے ہیں، ہم نے کب کسی کو ستایا ہے کہ یہ پریشان کرتے ہیں، اقامت دین کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں، ہمارا مقصد پاکیزہ ہے،

کوئی ہمارا ساتھ نہیں دیتا نہ دے، مخالفت تو نہ کرے، ہم تو انھیں کچھ نہیں کہتے، یہ کیوں ہم کو جینے نہیں دیتے''

> ''ہماری مطبوعات دیکھ لیجئے، ہماری تقریروں کے متعلق عام سامعین سے پوچھ لیجئے، ہماری سرگرمیوں کا جائزہ لے کر تلاش کیجئے، کیا کہیں کوئی ایسی چیز ملتی ہے جو علماء کے گروہ کے لئے بجا طور پر موجب اشتعال کہی جاسکتی ہو، کیا ہم نے بھی کسی گروہ کو طعن و ملامت کا ہدف بنایا، کسی کے خلاف اشتہار بازی کی؟ اگر کبھی ہم نے کسی سے اختلاف کا اظہار کیا تو علمی حیثیت سے کیا ہے، اور بات کو اسی حد تک محدود رکھا ہے جس حد تک کسی مسئلے میں ہمیں کسی سے اختلاف تھا، کوئی شخص ہماری کسی ایسی تحریر و تقریر کی نشاندہی نہیں کرسکتا جو اس سے مختلف نوعیت کی ہو، اہل حدیث ہوں یا دیوبندی یا بریلوی، ہم نے ان میں سے کسی گروہ یا اس کے عقائد اور مسلک پر یا اس کے بزرگوں پر کبھی کوئی حملہ نہیں کیا، اور نہ فی الواقع ہمارے دل میں کبھی کسی حملے کا خیال آیا۔ (رسائل و مسائل، دوم، ص:۵۳۳)

معصومیت کی منہ بولتی تصویر! لفظ لفظ سے مظلومیت کا آشکارا! نہ جانے علماء کو کیا ہوا کہ وہ آپ کی مخالفت میں کمر باندھے ہوئے ہیں، ان سطروں کا لکھنے والا بھلا کب مستحق ملامت ہے؟ تاہم ابھی فیصلہ نہ کیجئے، یہ ملفوظاتِ گرامی تو ملاحظہ فرمایئے، کہیں اس میں وہی سوغاتیں تو نہیں ہیں جن کی نفی میں ادبِ عالیہ کا یہ شہ پارہ تصنیف فرمایا گیا ہے۔

> ''لیکن یہاں تو پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف فتووں، پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے، جس میں کمیونسٹ،

سوشلسٹ، فرنگیت زدہ ملحدین، قادیانی، منکرین حدیث، اہل حدیث، بریلوی، دیوبندی سب ہی اپنے اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں، اور آئے دن نئے نئے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں، اس فصل کو آخر کون کاٹ سکتا ہے اور کہاں تک کاٹ سکتا ہے۔''

چند سطروں کے بعد:

''ہمارے مخالفین تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم اس حماقت میں مبتلا ہوں، اور جھاڑ جھنکار میں الجھ جائیں تاکہ فسّاق وفجار کی قیادت کو اپنا کام کرنے کے لئے صاف راستہ مل جائے، لیکن ہم نے ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی فصل ہے، وہی اسے کاٹے گا۔

(رسائل ومسائل، دوم، ص: ۴۹۴)

ان ملفوظات میں اگر آپ کو اشتعال کے شرارے اُڑتے محسوس ہوں تو آپ اپنے دماغ کا علاج کرائیے، ضرور اس میں جاہلیت کے جراثیم چمٹ رہے ہیں۔ آپ فنکار کی داد دیجئے، اس کی چابکدستی کا کمال دیکھئے، بیک جنبش قلم کیسے وہ کفر سے لے کر اسلام تک کو ایک صف میں کھڑا کر دیتا ہے، کس صف میں؟ فساق وفجار کی قیادت کے خدمت گزاروں کی صف میں، اللہ اللہ! یہ سب ''شیطان کی فصل'' ہے، ایک داعی دین کہہ رہا ہے، کون ہے جو اس کا قلم پکڑے، اور کس کی ہمت ہے جو اسے ٹوک سکے؟ اور اگر کوئی بول پڑا تو فرما دیں گے کہ ہم نے کسی پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ اب ان سطروں کو کیا کہا جائے، رحمت کی پھواریں، مہربانی کی بہاریں! آپ شاید کہیں کہ یہ تو مدافعت ہے، لوگوں نے ستایا تو یہ بھی ابل پڑے، یہ خود اقدام نہیں کرتے، انھوں نے ہمیشہ علماء کا احترام کیا ہے، بیشک

اگر ایسا ہوتا تو علماء ظالم قرار پاتے ، لیکن اگر بتایا جائے کہ اس تحریک کی بنیادیں علماء کے خونِ آبرو پر پڑی ہے، تو آپ چاہے حیرت کریں لیکن جو واقعہ ہے، عقل وہوش رکھتے ہوئے اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ جی ہاں، ایسا ہی ہے، یہ سطریں پڑھئے!

> ’’دین میں یہی وہ عظیم الشان ترمیم تھی، جس کی بدولت بڑے بڑے متقی ودیندار حضرات تسبیحوں (۱) کو گردش دیتے ہوئے وکالت اور منصفی کے پیشوں مین داخل ہوئے تاکہ جس قانون پر ایمان نہیں رکھتے ، اس کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں اور کرائیں ، اور جس قانون پر ایمان رکھتے ہین اس کی تلاوت صرف اپنے گھروں میں کرتے رہیں‘‘
>
> (تفہیمات، دوم، ص:۱۵۹)

آگے ارشاد ہوتا ہے:

> ’’اور کہیں یہ گمان نہ کرلیجئے گا کہ دین میں یہ ترمیم کچھ نئی ہوئی ہے، درحقیقت اس کی بنا آج سے صدیوں پہلے پڑ چکی تھی جبکہ تاتار کے کفار مسلمانوں پر مسلط ہوئے تھے ، (۲) صرف یہی نہیں کہ ’’نظامِ کفر میں اسلامی زندگی‘‘ کا نقشہ پہلی مرتبہ اسی دور کے علماء نے مرتب کیا تھا، بلکہ اسی دور میں بڑے بڑے علماء وصلحاء نے خود نظامِ کفر کی خدمت گزاری اختیار فرمائی تھی، اور ان میں بکثرت وہ لوگ تھے جن کی کتابیں پڑھ پڑھ کر آج

---

(۱) بڑے بڑے متقی ودیندار حضرات ’’تسبیحوں کی گردش‘‘ ’’اشراق وتہجد کے پابند‘‘ وغیرہ الفاظ جماعت اسلامی کے لٹریچر میں عام ہیں، اور مصنوعی دینداری کی علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) یہ ابتدائی دور کی تحقیقات ہیں، ’’خلافت وملوکیت‘‘ کے دور کی تحقیقات نے ثابت کیا کہ ترمیم کی بنا دورِ عثمانی میں ہی پڑ چکی تھی۔

> ہمارے مدارسِ عربیہ میں علماء دین مفتیان شرع متین تیار ہوتے ہیں، اسی قدامت کی وجہ سے یہ غلطی اب ایک مقدس غلطی بن چکی ہے، اور کوئی تعجب نہیں ہے، اگر ہمارے زمانے کے فقیہ اور محدث اور مفسر سب اسی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔'' (تفہیمات، دوم، ص: ۱۶۰)

غور سے دیکھئے! سات صدی قبل سے آج تک کا کوئی عالم دین بچا، جس کی آبرو محفوظ رہی ہو اور اس کی پگڑی نہ اچھلی ہو، بڑے بڑے علماء وصلحاء نے خود نظام کفر کی خدمت گزاری اختیار فرمائی، غلط سمجھتے ہوئے نہیں حق اور صحیح سمجھ کر۔ کسی کا اس میں استثناء ہے؟ عوام کو باور کرایا جا رہا ہے کہ اس وقت سے اب تک کسی نے دین کو سمجھا تک نہیں، سمجھنا کیا معنی؟ نظامِ کفر کی خدمت گزاری کو عین اسلام تصور کرتے رہے، بھلا یہ علماء گردن زدنی کیوں نہ ہوں؟ آہ! کتنے عرصے تک امت اندھیرے میں رہی، کفر کو اسلام باور کرایا جاتا رہا، اور اسلام حماقت وجہالت کے نہ جانے کن تاریک تہ خانوں میں دبا رہا، کون کہہ رہا ہے، مودودی صاحب! وہی اقامت دین کے داعیٔ اعظم! جنھوں نے کسی گروہ پر اور نہ اس کے بزرگوں پر کبھی کوئی حملہ کیا اور نہ فی الواقع ان کے دل میں حملے کا خیال آیا، کوئی نادان اگر اس کو حملہ سمجھ بیٹھے تو آپ کیا کہیں گے، آخر جن کی کتابیں مدرسوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں وہ بھی کسی کے بزرگ ہیں یا نہیں؟ اور اس زمانے کے فقیہ، محدث اور مفسر خلاء کے باشندے ہیں یا انھیں میں سے کسی گروہ کے بزرگ ہیں؟ یا یہ فرمایئے کہ یہ دادِ تحسین کا عنوانِ لطیف ہے؟ یا شاید یہ سطریں بھی کسی حملے کے جواب میں ہی نوکِ قلم پر آئی ہیں، جو کچھ ہو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ فرمودات علماء کے متعلق ہیں۔ اب ذرا ان مدارس کے متعلق بھی سن لیجئے جہاں یہ علماء تیار

ہوئے تھے، اور ہوتے ہیں۔

> ”اسلام کی تعلیم دینے والی درس گاہیں آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہوگئی ہیں، ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بناپر اظہارِ قدر شناسی تو کر سکتے ہیں، مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جاسکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لئے اس سے ہدایت ورہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے۔“

چند سطروں کے بعد:

> ”اسلام کے راستے میں یہ بہت بڑی رُکاوٹ ہے مگر یہ اسلام کا قصور نہیں ہے ہمارا اپنا قصور ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ اپنے اس نظامِ تعلیم کو بدلیں، جس نے دین کے تصور کو اتنا غلط اور شریعت کے علم کو اس قدر جامد بنادیا ہے۔“ (سیاسی کشمکش سوم، ص: ۱۱۴)

غور سے دیکھئے! یہاں کوئی نیم بسمل تڑپ کر آپ کے نشانۂ بے خطا کی داد دے رہا ہے یا نہیں؟ واقعی کمال ہے، تیغِ دودستہ ایسی ماریئے کہ جو جہاں ہو وہیں تڑپ کر رہ جائے، اور آپ کے دامن ناز پر خون کا دھبہ تک نظر نہ آئے، کوئی قصہ پوچھے تو صاف مکر جایئے، آہ تغافل ہو تو ایسا ہو، یہ مشقِ ناز تو گزشتہ بزرگوں کی گردنوں پر ہے، اب آگے چلئے دورِ حاضر کے علماء پر نگاہِ کرم ملاحظہ فرمایئے:

> ”اس گروہ کو چھوڑ کر اگر آپ نے جمعہ کی امامت کے لئے کسی دوسرے گروہ کا انتخاب کرنا چاہا تو لامحالہ اس کے لئے آپ کو علماء کے طبقے کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور باستثناء چند اس طبقے کے سوادِ اعظم کا جو حال ہے اس کو بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور اپنی ہی لاجوں مرنا ہے، ان حضرات کو اگر

> آپ نے عام فہم زبان میں من مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقین جانئے کہ آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہوگی، اس لئے کہ ان میں ہر شخص اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے، اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں ہے، پھر اللہ نے اس کی زبان میں ایسا ڈنک رکھ دیا ہے جس سے دلوں کو زخمی کئے بغیر وہ کوئی بات نہیں کرسکتا۔" (تفہیمات دوم، ص:۴۸۶)

یہاں تو غزل کا روایتی محبوب بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا، "باستثناء چند" سے معلوم نہیں کون مراد ہیں؟ غالباً مودودی صاحب کے بعض مخصوص حواریین ہوں، خود مودودی صاحب تو مراد ہو نہیں سکتے، انھیں علماء کی صف میں شمار ہونا بھلا کیسے گوارا ہوسکتا ہے؟ جو غالباً دنیا کی سب سے ذلیل جماعت ہے، یہ سب گل افشانیاں کون کرر ہا ہے، وہی جس کے دل میں کبھی کسی پر حملے کا خیال تک نہیں آیا، مزید سنئے!

> "اور ہمارے موجودہ دور کے بزرگانِ دین کے لئے تو وہ آپ سے آپ مباح ہے، خواہ کوئی اسے معاف کرے یا نہ کرے، وہ چاہے کتنے ہی صریح اور رکیک الفاظ میں دوسروں کو احمق، جاہل، گمراہ اور ہادمِ دین کہیں تو قابل مواخذہ نہیں، البتہ اگر ان کی کسی بڑی سے بڑی غلطی پر ٹوک دے خواہ کتنے ہی ادب واحترام کے ساتھ ٹوکے وہ تنقیص وتحمیق کا مجرم ہے، اور اس کا مستقل زخم ان کے شاگردوں اور مریدوں کے دلوں پر لگ جاتا ہے اور مدت العمر رستا رہتا ہے، یہ عالی ظرف لوگ ہیں ان کی کسی بات پر برا نہ ماننا چاہئے۔" (رسائل ومسائل، دوم، ص:۵۰۴)

بداخلاقی کا یہ سنگین جرم کس پر عائد ہورہا ہے اور کس ادب واحترام کے ساتھ، سبحان اللہ اور چلئے!

> ”اس کی مثال تلاش کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے ہی ملک کے ان علماء کا حشر دیکھ لیجئے جنھوں نے درس وفقہ کی مسندوں اور تزکیۂ نفس کے زاویوں سے نکل کر ملکی سیاست کے بحر موّاج میں چھلانگ لگائی تھی، تو یہ چاہئے تھا کہ ان نفوسِ قدسیہ کی برکت سے دریا کی رفتار بدل جاتی اور اس کی گندگیاں دور ہوجاتیں، مگر ہوا یہ کہ وہ خود اس گندگی میں لت پت ہوگئے اور دریا کا رُخ موڑنے کے بجائے خود اس کے رخ پر مڑ گئے، آپ ان بزرگوں کی فہرست پر نگاہ ڈالیں، اس میں کیسے کیسے نامور استادانِ فن سباحت شریک ہیں مگر اس مشاہدے کو اب کون آنکھوں والا جھٹلا سکتا ہے کہ یہ سارے ہی استاد اپنے مایہ ناز شاگردوں اور خلیفوں سمیت یا غرق ہوئے یا بہ گئے۔“ (رسائل ومسائل، دوم، ص: ۶۰۰)

کتنی پیاری ہے یہ زبان، اور کتنا دلکش ہے یہ اُسلوب! ماشاء اللہ لگے ہاتھوں ذرا ڈوبنے والوں یا بہ جانے والوں کی فہرست بھی دیکھتے چلیں، ”داعئ دین“ نے تو زحمت تلاش مکتوب الیہ پر رکھ دی، ہم ان بزرگ کو کہاں تلاش کرتے پھریں، ہم ہی اپنے حافظہ سے مدد لیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ سیّد سلیمان ندوی کو کیوں چھوڑا جائے، یہ حضرات بھی تو اس بحر مواج میں

کودے تھے، اور ہاں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کیوں رہ جائیں۔ اس فہرست میں کچھ اربابِ طریقت بھی نظر آتے ہیں جو نمایاں طور پر ''استادانِ فن سباحت'' میں شاید شمار نہ ہوسکیں، مگر ان کے خلفاء اور ارادت مندوں کا حال پکار کر کہتا ہے کہ یہ حضرات بھی چھلانگ لگانے والوں میں ضرور تھے، ایک حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری اور دوسرے ان کے نامور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری۔ یہ حضرات کسی گروہ کے محترم بزرگ ہیں یا کوئی اور مخلوق ہیں، جو کچھ بھی ہوں، مودودی صاحب بہرکیف کسی گروہ کے بزرگوں پر حملہ نہیں کرتے، داستان ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، اور سنئے!

> ''آپ کے مخلصانہ مشوروں کا بہت شکر گذار ہوں، ممکن تھا کہ میں ان مشوروں پر عمل بھی کرتا لیکن اتفاق کی بات عنایت نامہ ملنے کے دوسرے ہی روز مجھے ایک صاحب نے مفتی سعید احمد (مرحوم مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) کا مفصل فتویٰ جو ''کشف حقیقت'' کے نام سے چھپا ہے بھیج دیا، اور اس کے ساتھ دو تین اشتہار بھی بھیجے ہیں جن میں مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا اعزاز علی اور مولانا مفتی مہدی حسن صاحب کے فتوے درج تھے، ان تمام فتوؤں کے دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی، اب یہ حضرات اس مقام سے گذر چکے ہیں جہاں ان کو خطاب کرنا مناسب اور مفید ہو، سب سے زیادہ افسوس مجھے مولانا کفایت اللہ صاحب پر ہے کیونکہ میں ۳۲؍سال سے ان کا نیاز مند ہوں، افسوس کہ انھوں نے بھی جماعتی عصبیت میں آنکھیں بند کر کے یہ فتویٰ تحریر

> فرما دیا، باقی رہے دوسرے حضرات تو ان کے فتوے پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت یہ فتوے لکھے جا رہے تھے اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہ تھا، خصوصاً مفتی سعید احمد صاحب کے فتووں میں بددیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں، جنھیں دیکھ کر گھن آتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسن ظن رکھتا تھا، مگر اب ان کے فتوے دیکھ کر تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقے کے فتوے ساز وکافر ساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ بھی اونچا نہیں ہے۔ (رسائل ومسائل، دوم، ص: ۵۰۹، ۵۰۸)

صریح بددیانتی کی کوئی مثال تو موصوف نے پیش نہیں کی، شاید اور کہیں پیش کی ہو، تاہم ہم بھی کچھ باتیں جانتے ہیں، کبھی ضرورت ہوئی تو پیش کر دی جائیں گی، فی الحال تو یہ دیکھئے کہ کسی پر حملے کے خیال تک کا جو منکر ہو وہ کس بے تکلفی سے تیر ونشتر چلا رہا ہے اور پھر معصوم کا معصوم ہے، ایک بار پھر جگر تھامئے اور دیکھئے کہ خنجر کی نوک کس کس پر بیٹھتی ہے۔

> ”حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام کی اکثریت یا تو قلت فہم کے باعث یا کم ہمتی کے سبب سے یا پھر اپنی نااہلی کے اندرونی احساس کی وجہ سے دین ودنیا کی اس تقسیم پر راضی ہو چکی ہے جس کا تخیل اب سے مدتوں پہلے عیسائیوں سے مسلمانوں کے یہاں درآمد ہوا تھا، انھوں نے چاہے نظری طور پر اسے پوری طرح نہ مانا ہو مگر عملاً وہ اسے تسلیم کر چکے ہیں کہ سیاسی اقتدار اور دنیوی ریاست وقیادت غیر اہل دین کے ہاتھ میں رہے، خواہ وہ فساق وفجار ہوں یا مشرکین وکفار، اور مذہب کی محدود دنیا میں ان کا

> سکہ رواں رہے، یہ محدود دنیا بے دین سیاست وقیادت کی مسلسل تاخت سے روز بروز سکڑ کر کتنی ہی محدود ہوتی چلی جائے اس تقسیم کو قبول کرنے کے بعد یہ حضرات تمام تر قوت دو باتوں میں صرف کرتے ہیں، ایک اپنی محدود مذہبی ریاست کی حفاظت، جس کے مسائل ومعاملات میں کسی کی مداخلت انھیں گوارہ نہیں، دوسرے کسی ایسی بے دین قیادت سے گٹھ جوڑ جو مذہب کے محدود دائرے میں ان کی اجارہ داری کی بقا کی ضمانت دے اور اس دائرہ سے باہر کی دنیا میں جس فسق اور ضلالت کو چاہے فروغ دیتی رہے، اس طرح کی ضمانت اگر کسی قیادت سے انھیں مل جائے تو یہ دل کھول کر اس کا ساتھ دیتے ہیں اور خود جان لڑا کر اسے قائم رکھنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔" (رسائل ومسائل، دوم، ص:۴۹۹)

سب کچھ سنئے، مگر یہ نہ کہئے کہ علماء پر حملہ کیا ورنہ طبع نازک پر گراں گذرے گا، اور فرمادیں گے کہ آپ بغض وعناد کے شکار ہیں، دل میں کوئی پرانا بخار ہے، ہمارا یہ داعئ دین نیتوں تک کو کھنگال ڈالتا ہے، اور جب غصہ ہوتا ہے تو اشتعال کے شرارے بہت دور تک پھیلتے ہیں، یقین نہ ہو تو سنئے! لیکن ذرا پس منظر تو معلوم کر لیجئے، ہمارے اس داعی نے عرصہ ہوا ایک خوبصورت اصول کا انکشاف کیا تھا، یہ اصول تھا حکمت عملی کا، درحقیقت ایک تیز قسم کا ہتھیار تھا جس سے دین کے بہت سے اصولوں کی گردن کاٹی جاسکتی ہے، ایسے اصول جن کو ہمارا یہ داعی تسلیم کر چکا ہو، ضرورت اس کی یوں پڑی کہ ابتداءً اس مجددِ اسلام نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ:

> "پھر جس لیڈر شپ کی اِعْلَاءِ کَلِمَةُ اللهِ کے لئے ضرورت ہے وہ

> ایسی لیڈرشپ ہے جو ان اصولوں سے ایک انچ ہٹنے کے لئے تیار نہ ہو، جن کا بول بالا کرنے کے لئے اسلام اٹھا ہے، خواہ اس ہٹ کی بدولت تمام مسلمان بھوکے ہی کیوں نہ مرجائیں، بلکہ تہ تیغ ہی کیوں نہ کردئے جائیں۔'' (سیاسی کشمکش، سوم، ص:۱۳۵)

چنانچہ جب جماعت اسلامی کا سیل رواں چلا تو بڑے بڑے بیرسٹروں کو، وکلاء کو، حکومت کے ملازمین کو بہالے گیا۔ فتویٰ یہ تھا کہ یہ طاغوتی نظام ہے، اس کے ساتھ اشتراک درست نہیں ہے، کچھ عرصہ جوش میں گذرا، ترکِ تعاون کا ہنگامہ رہا، پھر جب ہوش کی ٹھنڈی سڑک پر پہونچے تو فکر معاش نے ستایا، کدھر جائیں؟ اکثر راستے تو اپنے ہی ہاتھوں بند کرچکے تھے، ایمان ابھی کچا تھا، حکومت الٰہیہ کے دیدار کا وقت بھی دور تھا، پریشانی بڑھی، اپنے مانے ہوئے اصولوں کو کیسے توڑیں، مفکرین بیٹھے، غور کیا، سوچا، کشتی ڈوبتی نظر آئی، بالآخر ناخدا کو ایک ترکیب سوجھ گئی، پکارا حکمت عملی کو اپناؤ، بس بیڑا پار ہے، پھر دھندا چل پڑا، ہر پرزہ اپنی مشین میں جڑ گیا، وکالت بھی ہونے لگی، ملازمت بھی کی جانے لگی، الیکشن میں بھی حصہ لیا جانے لگا، حکمت عملی کا سورج طلوع ہوا تو تمام اصولوں کی روشنی ماند پڑگئی، اب بڑے اطمینان سے سب کاروبار بھی ہورہے ہیں اور حکومت الٰہیہ کی سعی بھی کی جارہی ہے۔ یادش بخیر! غالباً اسی حکمت عملی کے مقدس اصول نے ہندوستان میں جماعت اسلامی کو آر ایس ایس کے گلے سے ملادیا، حالانکہ دونوں کے سمت سفر میں مشرق ومغرب کا فرق ہے، اب نہ جانے مومنین کی یہ جماعت کدھر جارہی ہے، خیر بات دور ہوگئی، مقصد یہ تھا کہ جس وقت حکمت عملی کا سورج طلوع ہورہا تھا تو ہندوستان میں کچھ لوگ اس سے چونکے تھے، ان چونکنے

والوں میں مولانا محمد منظور نعمانی کے فرزند اکبر جناب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی بھی تھے، انھوں نے تنقید لکھی، احترام کے ساتھ لکھی، سات آٹھ قسطوں میں، کیسے ممکن تھا کہ مودودی صاحب کے درِ دولت تک بار نہ پاتی۔ پہونچی یا پہونچائی گئی، کسی صاحب نے اس کے حوالے سے کچھ سوالات کرڈالے، جواب ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے:

> ''الفرقان کی جس بحث کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کے موقع ومحل اور انداز سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اصل بنائے بحث بجائے خود یہ مسائل نہیں ہیں، بلکہ دل کا ایک پرانا بخار ہے جو مدتوں سے موقع کی تلاش میں دبا پڑا تھا، اور اب اس کو نکالنے کے لئے کچھ مسائل بطور حیلہ ڈھونڈ لئے گئے ہیں، اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرکے بیٹھ جائے کہ کسی کو متہم کرنا ہے تو دنیا میں کوئی نہیں جو ایسے شخص کی مار سے بچ جائے۔'' (تفہیمات، سوم، ص:۱۱۵)

''الفرقان'' کی یہ بحث ہم نے بھی پڑھی ہے، ہمیں تو کوئی بخار محسوس نہیں ہوا، بہت نیازمندانہ لہجہ، شائستہ گفتگو، سطر سطر سے اپنا چھوٹا پن ظاہر! مگر ہم کیا اور ہماری نگاہ کیا؟ وہ عینک جماعت اسلامی کے دفتر میں ملتی ہے جس کو لگالیجئے تو فوراً تنقید کرنے والے کا پرانا بخار نظر آجائے گا، جاہلیت کے جراثیم کلبلاتے صاف دکھائی دیں گے، افسوس وہ عینک ہمیں حاصل نہیں ہے، اشتعال میں کچھ اور تموج ہوا تو یہ شرارے اور اُڑے۔

> ''اب اس کا کیا علاج کیا جائے کہ یہ بات اطفالِ مکتب تک جاپہونچی۔'' (تفہیمات، سوم، ص:۱۲۳)

''اطفالِ مکتب'' کون؟ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، بے شک آپ کو حق

ہے جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، شرارہ پر شرارہ!

> ''میرے لئے ان معترضین کا حریف بننا مشکل ہے، لیکن جب ذاتی بغض وعناد کی بنا پر شرعی مسائل میں کھینچ تان کی جانے لگے تو اس کی اصلاح ناگزیر ہے۔'' (تفہیمات، سوم، ص: ۱۱۵)

کس بے تکلفی کے ساتھ دعویٰ کر دیا گیا کہ معترض ذاتی بغض وعناد کا شکار ہے، اس کے دل میں پرانا بخار ہے، طفل مکتب ہے۔ یہ انداز صرف یہیں نہیں ہے، یہ تیر اوروں پر بھی برسے ہیں۔ وحیدالدین خاں کی مکاتبت دیکھ لیجئے۔ کوثر نیازی کی مراسلت پڑھ لیجئے، سب جگہ موصوف کو زورِ نفسانیت ہی نظر آتا ہے، اس صدی میں ایک ہی تو ذات پیدا ہوئی جو نفس ونفسانیت سے یکسر پاک ہے۔

یہ فرمودات تو علماء کے متعلق ہیں، اب کچھ صوفیاء کے بارے میں سن لیجئے، پھر ہم یہ داستانِ درد لپیٹ دیں، پہلے موصوف کا نقطۂ نظر معلوم کیجئے۔

> ''میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کا جو طریقہ قرآن وسنت اور عمل صحابہ سے ثابت ہے وہی کافی ہے، اور اسی پر ہمیں اکتفا کرنا چاہئے، اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے، اس میں کمی بیشی کرنا نہ درست ہے نہ مفید، اس سے ہٹ کر جو طریقے جس نے ایجاد کئے ہیں، یا دوسرے اَدیان وملل کے متبعین سے اخذ کئے ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہئے، اس رائے میں اگر کوئی غلطی ہے تو آپ اس پر مجھے دلائل کے ساتھ متنبہ فرمائیں، پھر میں اس پر غور کروں گا، لیکن میں اس الزام سے برأت ظاہر کرتا ہوں کہ اس اختلاف رائے کی وجہ سے میں صوفیاے کا مخالف ہوں، یا تصوف کا دشمن ہوں، اہل تصوف کو بالکلیہ مطعون کرتا ہوں۔'' (رسائل ومسائل، سوم۔ ص: ۴۲۴)

بیشک آپ کی رائے میں کیا غلطی ہے، مگر یہ تو فرمائیے کہ جو تصوف مجدد الف ثانیؒ سے لے کر شاہ اسمٰعیل شہید تک اور پھر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے مولانا تھانویؒ و مولانا مدنیؒ تک پہونچا ہے، اور علماء دیوبند کا مشرب ہے، اس کے متعلق کیا خیال ہے، یہ بھی تو صاف ہو، معلوم نہیں آپ کن صوفیاء کے مخالف نہیں ہیں، وہ کس دنیا میں رہتے ہیں، آپ کا ایک فرمودہ تو یہ ہے:

> ”پہلی چیز جو مجھ کو مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے شاہ صاحب اور ان کے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا، اور نادانستہ ان کو پھر وہی غذا دیدی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی، حاشا کہ مجھے فی نفسہ اس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اصلی تصوف ہے، اور اس کی نوعیت احسان سے کچھ مختلف نہیں، لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز واشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال، اور متصوفانہ طریقے سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے، یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اس خاص قالب کا محتاج نہیں ہے، اس مقصد کے لئے دوسرا قالب بھی ممکن ہے۔“

چند سطروں کے بعد:

> ”پھر کیا ضرور ہے کہ اسی پرانے قالب کو باقی رکھنے پر اصرار کیا جائے جس میں مدتہائے دراز سے جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے، اس کی کثرت اشاعت نے مسلمانوں کو جن سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں

> میں مبتلا کیا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں، اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی ہی صحیح تعلیم دے بہر حال یہ قالب استعمال کرتے ہی وہ تمام بیماریاں پھر عود کر آتی ہیں، جو صدیوں کے رواج عام سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں، پھر جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے جب وہ مریض کے لئے نقصان دہ ہو، اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا ہے، اور قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آتی ہے جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے۔" (تجدید واحیائے دین، ص:۱۱۹، ۱۱۸)

طویل گفتگو ہے کہاں تک نقل واقتباس ساتھ دے، اتنا ہی غور سے پڑھ لیجئے! بات صاف ہے، تصوف واحسان کے حصول کا عملی طریقہ جو صدیوں سے چلا آرہا ہے مہلک ہے، خطرناک ہے، قابل ترک ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، شریعت کی اصطلاح میں "حرام" ہے، تاہم خط کشیدہ عبارت پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے، یہ شکر کی خول ہے، ہمارا یہ "داعیٔ برحق" جب کوئی تلخ گھونٹ امت کے گلے سے اتارتا ہے تو جا بجا اس پر شکر کی خول چڑھاتا جاتا ہے تاکہ تلخی محسوس نہ ہو، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ تلخی نظر آرہی ہے۔ اب مجدد صاحب سے شاہ صاحب تک کو عقل ومنطق کی رو سے دانا و مصلح قرار دیا جائے، جب وہ اتنی کھلی ہوئی بیماری کا پورا اندازہ نہ کر سکے اور وہی غذا بیمار کو دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی، موصوف کو محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کڑوا گھونٹ حلق سے فرو نہ ہوگا، اس لئے جا بجا ان بزرگوں کے اعترافات اس بحث میں کرتے گئے ہیں، اور پھر

’’لیکن‘‘ اور ’’مگر‘‘ سے مٹاتے بھی گئے ہیں ۔ یہ عجب ملغوبہ بحث ہے ، بالکل ’’ہاں‘‘ ’’نہیں‘‘ کا معجون مرکب ہے ، کتاب کھول کر پڑھ لیجئے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا ، بہر حال پوری بحث سے تمام تر شکر کی خولوں اور سجداتِ سہو کے بعد بھی تصوف و اہل تصوف کی مخالفت کے جو شعلے لپک رہے ہیں وہ مخفی نہیں ہیں ۔

اور ہاں لگے ہاتھوں کوئی موصوف سے یہ بھی پوچھ لے کہ اسلام کی تعبیر ’’تحریک‘‘ دین کی تعبیر ’’اسٹیٹ‘‘ پیغمبر کی تعبیر ’’لیڈر‘‘ سے کرنی بھی کسی غلط تصور کو ذہن و دماغ تک کھینچتی ہے ، یا یہ تعبیرات بالکل معصوم ہیں ، اگر کوئی آپ سے یہ کہہ پڑے کہ جناب جدید تعبیرات...... ہاں وہی انگریزوں کی لائی ہوئی تعبیرات ...... پر ریجھے ہوئے ہیں ، ان میں کوئی خرابی آپ کو نظر نہیں آتی ، البتہ قدیم تعبیرات جو مسلمانوں میں رائج ہیں وہ سب گردن زدنی ، ان سے بیماریاں پھیلتی ہیں تو آپ کی جبین ناز پر شکن آجائے گی ۔

ہم ناظرین سے گزارش کرتے ہیں جماعت اسلامی کے مومنین کو آپ نے بہت کہتے سنا ہوگا کہ مودودی صاحب مظلوم ہیں ، علماء نے ان پر بہت ظلم توڑا ہے ، ضَالّ اور مُضِل کہا ، ان پر فتوے جڑے ، ان کی راہ میں کانٹے بچھائے ، ان پر تکفیر و تضلیل کے تیر ونشتر برسائے ، آپ نے مان بھی لیا ہوگا ، لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رُخ ہے ۔ ان طول طویل اقتباسات میں تصویر کا دوسرا رُخ دیکھئے ۔ صدیوں پر صدیاں بیت گئیں ، ایک سے بڑھ کر ایک عالم پیدا ہوئے ، یہ علماء دین کے محافظ تھے ، پاسبان تھے ، انھوں نے ہر طوفان میں اسلام کی شمع جلائے رکھی ، طوق وسلاسل کا مقابلہ کیا ، قید وبند کی تکلیفیں جھیلیں ، جلاوطنی میں مارے مارے پھرے مگر دین کی جو امانت سینے سے لگائی تھی ، دمِ آخر تک لگائے رکھی ، حکومتوں سے

ٹکرائے، باطل نظریات سے لڑے، مخالف حالات سے بھڑے، ظلم واستبداد سے پنجہ لڑایا، مگر اللہ کے دین کو بلند رکھا۔ یہ تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے جسے کوئی مؤرخ جھٹلا نہیں سکتا، لیکن دورِ حاضر کا مردِ داعی اُٹھتا ہے اور بیک جُنبش قلم ان تمام کارناموں پر پانی پھر دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ دین وہ دین نہیں جسے محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے، وہ تو کبھی کا مٹ چکا تھا، یہ دین کا ترمیم شدہ ایڈیشن تھا، یہ ترمیم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے ہی شروع ہوگئی تھی، تاتاریوں کے حملے کے بعد یہ ترمیم مکمل ہوئی، یہ ترمیم شدہ دین تھا، مسخ شدہ مذہبیت تھی، ایک بے روح لاشہ تھا، جسے علماء اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے، یہ دین کفر سے ہم آہنگ ہی نہیں بلکہ کفر کا خادم تھا، تمام تر علماء نظامِ باطل کے خدمت گار تھے، انھوں نے مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، اسی کے مطابق نظامِ تعلیم بنا، مدرسے تعمیر ہوئے، خانقاہیں بنیں جن سے کفر کے نوکر چاکر ڈھل ڈھل کر نکلے، کفر سے ان کی ساز باز تھی، اس کو قائم کرنے کے لئے انھوں نے جانیں لڑادیں، وہی دین...... ترمیم شدہ دین......رفتہ رفتہ منتقل ہوا، ہمارے زمانے تک پہونچا، اس دور کے علماء کا وظیفہ بھی وہی رہا جوان کے اَسلاف کا رہ چکا تھا، مزید برآں اخلاق کی پستی کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑے عالم وصالح کے لئے بہتان تراشی مباح، تہمت زنی جائز، فتوے لکھتے وقت خوفِ خدا دور ہوجاتا ہے، اور احساسِ جواب دہی جواب دے جاتا ہے، بڑے بڑے علماء جماعتی عصبیت کے شکار، کم ہمت، نااہل، حماقت میں گرفتار، قرآن وحدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر دین کی ہوا تک نہ لگی، فضا تاریک تھی، کفر کے بادل گرج رہے تھے، باطل کی گھٹا منڈلا رہی تھی، کل اور آج سے نہیں صدیوں سے کوئی چراغ نہ جلا، کوئی شمع نہ روشن ہوئی، کوئی ستارہ نہ

چمکا، اچانک دیکھتے دیکھتے تاریکیوں کے دبیز حجاب میں شگاف ہوا، بادلوں میں روزن ظاہر ہوا، اور مردِ داعی کا چمکتا ہوا چہرہ نمودار ہوا، اس کے قلم کی ایسی بجلی چمکی کہ تمام تاریکیاں چھٹ گئیں، بادل ہٹ گئے، دین جو مٹ چکا تھا زندہ ہوگیا، ظاہر ہے کہ یہ وہ دین تو نہیں ہوسکتا جو حضرت عثمان ؓ کے دور سے پرورش پا رہا تھا، پھر کون سا دین ہے؟ کیا حضور ﷺ کے زمانے کا؟ کیا خبر کون بتا سکتا ہے، دنیا تو اب تک اسی دین کو باقی اور دائم سمجھے ہوئے تھی، اب خدا جانے یہ کون سا دین ہے؟ یہ نقشہ آپ نے دیکھا! انصاف کیجئے اس مردِ داعی نے کس کس پر تلوار گھمائی ہے، کس کو بخشا ہے؟ کس کو چھوڑا ہے؟ بے چارے علماء تڑپے تو تڑپنے کی بھی اجازت نہیں، وہ قتل کئے جائیں تو عین ہنر، ہم تڑپ جائیں تو لائق گردن زدنی، انصاف! انصاف!

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ایک شخص بیٹھا مسلسل بجلی کی شاک پر شاک لگائے جا رہا ہے، رُواں رُواں داغتا ہے، یہ بے چارہ فریاد کرتا ہے تو اسے ملامت کرتا ہے کہ بیوقوف فن کی داد نہیں دیتا، چیختا ہے۔

ایک شخص دیوار کی اینٹیں چن چن کر نکالتا ہے، گھر والا پکارتا ہے، تو یہ ڈانٹ پلاتا ہے، احمق دیکھ تیری عمارت خراب ہے، میں کس خوبصورتی سے اینٹ اینٹ جدا کر رہا ہوں، احسان مان! میں تیرا محسن ہوں۔ آپ کس کو ظالم کہیں اور کس کو مظلوم! اینٹ پر اینٹ کھسکانے والا ظالم ہے یا فریاد کرنے والا، دنیا کی ریت بھی نرالی ہے۔

چور چوری کر کے اتنے زور سے چور چور چلاتا ہے کہ لوگ یقین کر لیں کہ چوری کرنے والا کوئی اور ہے۔

کوئی اس مردِ داعی سے پوچھے کہ جناب! یہ دین جو عرصۂ دراز سے گم تھا آنجناب کو اصلی شکل وصورت میں مل کہاں گیا؟ ظاہر ہے کہ تعلیم وتعلم کی وادیوں سے تو آپ گذرے نہیں؟ پھر کس رہگذر سے اٹھالائے اور پیش کر دیا کہ مسلمانو! یہی تمہارا اصلی دین ہے جس سے تم محروم تھے، مہجور تھے۔

ہمارا یہ مردِ داعی اس پر فخر کرتا ہے کہ اس نے ان بوسیدہ، کرم خوردہ مدرسوں میں تربیت نہیں پائی، اور باطل کے خدمت گزار علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا ہے، کسی بھلے مانس نے ایک مرتبہ پوچھ لیا کہ جناب نے کس عالم سے فیض حاصل کیا ہے؟ تو وہاں قلم سے غیظ وغضب کی چنگاریاں ابل پڑیں۔

> ”یہ ایک لاحاصل سوال ہے کہ میں نے کس عالم سے فیض حاصل کیا ہے، یہ سوال تو اس سے کرنا چاہئے جس نے کوئی علمی کام نہ کیا ہو، اور جس کے علمی مقام کو جاننے کے لئے مدرسہ کی سند اور استادوں کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ ہو، میں نے کام کیا ہے اور میرا کام چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ چھپا ہوا سب کے سامنے موجود ہے، اس کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ اس نے کیا کچھ پڑھا ہے، او جو کچھ پڑھا ہے اسے کتنا ہضم کیا ہے۔“
>
> (رسائل ومسائل، دوم، ص:۴۹۶)

اس جواب میں اگر پندار وانانیت کی بو محسوس ہوتی ہے تو یقیناً آپ کی دماغی حالت درست نہیں ہے، یہ اگلے لوگوں کی باتیں ہیں کہ دعویٰ نہ کرو، ڈینگیں نہ مارو، تواضع اختیار کرو، اور یہ بھی انھیں کی فرسودہ کہانیاں ہیں کہ فلاں نے فلاں

سے علم حاصل کیا، اور فلاں نے فلاں کی صحبت پائی، اور فلاں نے کسی سے فیض نہیں حاصل کیا، اس لئے اس کا علم معتبر نہیں، یہ سب ترمیم شدہ دین کے نسخے ہیں، اب انھیں کون پوچھتا ہے؟ اصل دین میں نہ سند علمی کی ضرورت ہے اور سند عملی کی، چند کتابوں کے مصنف بن جایئے اور ہانک لگا دیجئے کہ میں نے کام کیا ہے، کوئی دیکھ لے، جس کے پاس کوئی کام نہ ہو وہ سند دکھاتا پھرے، کہاں تک سناتا جاؤں کہانی ''اصلی دین'' کی۔

بات ایک اور کہی جاتی ہے اور بہت زور سے کہی جاتی ہے کہ معترضین ہماری عبارتوں کو سیاق وسباق سے جدا کر کے اس سے غلط مفہوم اخذ کرتے ہیں، بات کچھ لگتی سی معلوم ہوتی ہے، عبارتوں کو سیاق وسباق سے ملانے کے بعد کچھ اس کی تائید بھی ہوتی ہے، مگر یہ ایک دھوکہ ہے، سفسطہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص ایک خوبصورت گلاس میں نہایت خوش رنگ شربت آپ کے پاس لاتا ہے، آپ اس کا رنگ دیکھتے ہیں، گلاس کا حسن دیکھتے ہیں اور بے اختیار پینا چاہتے ہیں، ایک ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، آپ یقین نہیں کرتے، وہ کیمیاوی تحلیل کر کے زہر کے اجزاء نکال کر دکھاتا ہے، شربت لانے والا کہتا ہے، یہ کیا ظلم ہے، اس کو شربت میں ملا کر دیکھئے کہیں نظر آتا ہے، آپ غور کیجئے اس کا کیا جواب ہوگا۔

یہی حال ہمارے اس مردِ داعی کی کتابوں اور لٹریچر کا ہے، زہر پوری کتاب میں گھلا ہوا ہے، ان کا انتخاب بے حد دشوار، کیمیاوی تحلیل اور مشکل، بظاہر اس میں زہر معلوم نہیں ہوتا، مگر ہے پوری مقدار میں۔ یہ بیچارے علماء کہیں مقدار زیادہ پا جاتے ہیں تو اسے ہی نکال کر دکھاتے ہیں، وہاں سے الگ کر کے

زہر صاف معلوم ہونے لگتا ہے، ہمارا بھائی اصرار کرتا ہے کہ اس کو کتاب میں لے جا کر دیکھو، وہاں شکر کی خول رکھی ہے، درحقیقت بات وہاں بھی بدلتی نہیں ہے، بس ڈھک جاتی ہے، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ قصور کس کا ہے؟ زہر چھپانے پر جو اصرار کرتا ہے اس کا، یا جو ظاہر کر دیتا ہے اس کا، ہم نے تو یہی دیکھا، یہی پایا، یہی سمجھا، باقی نہ سمجھنے والوں پر جبر نہیں ہے، اور سمجھ جانے والوں کو سمجھانے سے صبر نہیں۔

ناقدین پر ایک اور چلتا ہوا اعتراض کیا جاتا ہے، انھیں کی زبان سے سنئے!

> ”یہ ایک عجیب نفسیاتی کیفیت ہے کہ آپ منطق کا زور لگا کر ایک شخص کی بات میں سے بدترین معنی نکالنے کی کوشش کریں اور وہ چاہے کتنی ہی وضاحت کے ساتھ اپنا مدعا بیان کرے، مگر آپ یہی اصرار کرتے چلے جائیں کہ نہیں تیرا اصل مدعا وہ نہین جو تو بیان کرتا ہے بلکہ وہ ہے جو ہم تیری طرف منسوب کر رہے ہیں گویا آپ کوئی وکیل استغاثہ ہیں جس نے ملزم کو پھانسنے ہی کے لئے اپنے موکل سے فیس لی ہے، ستم یہ ہے کہ یہاں موکل اور کوئی نہیں آپ کا اپنا نفس ہے، اور اس کی فیس لذتِ نفس کے سوا کچھ نہیں،“ (تفہیمات، سوم، ص:۱۹۰)

یہ بات تقریباً ہر اعتراض پر کہی گئی ہے، جو ان کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں، دیکھنے والا اگر بہت سمجھ دار نہ ہو تو اسے صحیح سمجھ لے گا، مگر درحقیقت یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، اتنا بڑا کہ اسے غلط سمجھنا دشوار، اور غلط ثابت کرنا دشوار تر ہے۔ بات یہ ہے کہ لغت اور محاورہ کے اعتبار سے تو معنی وہی ہوتا ہے جو معترضین اور ناقدین بیان کرتے ہیں، لیکن موصوف اگر اس معنی کے شائع ہونے کو حکمت عملی کے خلاف سمجھتے ہیں تو بجائے اس سے رجوع کرنے کے اس کی ایک خوبصورت

’’وضاحت‘‘ کر دیتے ہیں، وہ وضاحت ایسی ہوتی ہے جس کی گنجائش عبارت میں ہوتی ہے، اس سے اعتراض ختم ہوجاتا ہے، یہ مجاہدین سمجھ لیتے ہیں کہ میدان مارلیا اور مطلب صاف ہوگیا، کاش ایسا ہوتا، مگر سچی بات یہ ہے کہ خاص وہ عبارت تو یقیناً صاف ہوگئی مگر جماعت کا مجموعی لٹریچر جو فی الحقیقت مودودی صاحب کی ہی کتابوں سے عبارت ہے، اس وضاحت کا شدت سے انکار کرتا ہے۔ دراصل یہ وضاحت نہیں ہے، عذرِ گناہ ہے اور شاید بدتر از گناہ۔ کوئی مردِ دانا اچھی بات کہہ گیا ہے، ’’کلامے کہ محتاجِ یعنی باشد، لایعنی است‘‘ (جو کلام یعنی کا محتاج ہو وہ لایعنی ہے) یہ بات ہوا میں نہیں کہی جارہی ہے، اس کی دلیل سنئے!

جماعت کے دستور میں یہ جملہ اب بھی لکھا موجود ہے ’’رسولِ خداؐ کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے:: اس پر اعتراض ہوا کہ تنقید کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا کہ انبیاء سابقین کی عصمت بھی خطرے میں ہے، اور حضراتِ صحابہ کی آبرو بھی۔ اس پر بہت شور مچایا گیا کہ بات کا مطلب سمجھنا بھی جن کو نہیں آتا وہ اعتراض کیوں کرتے ہیں، یہاں انبیاء سابقین کا کیا ذکر، ان کے علاوہ کی بات ہے، اور تنقید بمعنی تنقیص نہیں ہے۔ اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ کھرا کھوٹا پرکھنے کو تنقید کہتے ہیں، صحابہ معیار تو نہیں ہیں، برسرحق ہونا اور ہے، اور معیارحق ہونا امر دیگر، صحابہ کا قول وعمل بھی قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، بسر وچشم، عمدہ وضاحت ہے، چشم ماروشن ودل ماشاد۔

ہم ذرا یہ پوچھ لیں کہ بیشک تنقید پرکھنے ہی کے معنی میں ہے، تنقیص کے معنی میں ہرگز نہیں، لیکن قبلہ سچ کہئے گا جس ماحول میں یہ لفظ آپ کے قلم گہربار سے صادر ہورہا ہے کیا وہاں اس کے معنی بالعموم یہی مراد ہوتے ہیں یا نہیں، اور

یقیناً نہیں۔ یہاں تو یہ لفظ عموماً تنقیص کا ہی مرادف سمجھا جاتا ہے، پھر دستور میں جہاں بالکل نپے تلے اور محتاط الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، اس لفظ کے باقی رکھنے پر اصرار کیوں ہے، یاد رکھئے، ماحول کی طاقت کو کوئی ڈکشنری شکست نہیں دے سکتی، اچھا چلئے مان لیا، لغت کی بات ہی درست، مگر ہماری نگاہ جب آپ کے لٹریچر پر پڑتی ہے تو دو اور دو چار کی طرح یہ بات کھل جاتی ہے کہ تنقید کے نام پر جو عمل آپ کے یہاں ہو رہا ہے وہ سراسر تنقیص بلکہ بہتان ہے، افترا ہے۔ تفصیل دوسری کتابوں میں ہے، ہم اس میں پڑنا نہیں چاہتے، کوئی ایمان دار خالی الذہن ہو کر آپ کا لٹریچر پڑھ کر اس کے علاوہ کوئی تاثر قائم کر ہی نہیں سکتا کہ آپ صحابہ ہی نہیں بلکہ انبیاء تک کی تنقیص فرماتے ہیں اور معیارِ حق ہونا تو درکنار خلافت وملوکیت کی سطریں تو صحابہ کو برسرِ حق بھی نہیں چھوڑتیں، بلکہ حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو ایک شریف انسان کی سطح پر باقی نہیں رہنے دیتیں۔ آپ بتائیے ہم آپ کی چند سطری وضاحت کو مانیں، یا اس پورے لٹریچر میں پھیلی ہوئی واضح اور قطعی شہادت کو، پھر اس کے علاوہ ہمارا سابقہ جماعت اسلامی کے مجاہدین سے بھی پڑتا ہے، ہم انھیں دیکھتے ہیں کہ بڑی بے باکی اور جرأت کے ساتھ صحابہ کی بدگوئی کرتے پھرتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ پیدائشی بدگو تو ہیں نہیں، آپ کا لٹریچر پڑھ کر ہی ان میں یہ اسپرٹ پیدا ہوئی ہے، معلوم ہوا ہے کہ تنقید اور معیارِ حق وغیرہ کا مطلب وہی ہے جو معترضین نے سمجھا ہے، وہ منطق کا زور نہیں لگاتے، آپ کی عبارتوں کی سلوٹیں محسوس کر لیتے ہیں، ایک اسی بات کا یہ حال نہیں ہے، تمام تر وضاحتوں کا یہی حال ہے، ہم سے ہو سکا تو اس پہلو سے ہر ایک اعتراض کا جائزہ لیں گے۔

نــوٹ: کتاب کے ترجمے میں کوشش تو ہم نے یہی کی ہے کہ جہاں جہاں مودودی صاحب کی کتابوں کے حوالے آئے ہیں انھیں اصل کتاب سے نقل کریں، لیکن ہم اس کوشش میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے، رسائل ومسائل کا پہلا حصہ ہمیں دستیاب نہ ہوسکا، خطبات کا وہ حصہ بھی نہ مل سکا جس کی عبارت عبادات کے ذیل میں نقل کی گئی ہے، ہم نے فقط ترجمے پر اکتفا کیا ہے۔ الفاظ تو یقیناً مودودی صاحب کے نہیں ہیں تاہم مفہوم میں کوئی تغیر وتبدل انشاء اللہ نہیں ہوگا، لیکن ناظرین سے ہم گزارش کرتے ہیں کہ اصل کتابوں میں حوالے ڈھونڈتے وقت کامل مطابقت نہ ہوسکے تو سرگرانی محسوس نہ کریں، کیونکہ مودودی صاحب کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی بات زیادہ قابل اعتراض اور واضح گمراہ کن ہوتی ہے اور اعتراضات کے بعد انھیں تنبہ ہوجاتا ہے تو بجائے اس کے کہ علی الاعلان اس سے رجوع کریں کبھی تو چپکے سے وہ عبارت ہی حذف کردیتے ہیں اور کبھی اس میں کچھ ترمیم کردیتے ہیں۔ چنانچہ خطبات کے سلسلے میں اس نوعیت کا ایک حاشیہ آپ کی نظر سے گذرے گا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ تفہیم القرآن کے پہلے ایڈیشن میں سورۂ یونس کی تفسیر کے ذیل میں ایک جگہ کچھ اس قسم کی عبارت لکھی ہے:

> ”تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفۂ یونس کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ضرور سرزد ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے انھوں نے بے صبر ہوکر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔“

(ہمارے سامنے اصل عبارت نہیں ہے، حافظے کی مدد سے لکھی ہے)

اس پر جب علماء نے اعتراض کیا کہ پیغمبر جب اپنے فریضہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کی عصمت کے کیا معنی؟ یہ تو گناہِ کبیرہ ہے، مودودی صاحب نے جب اس کی قباحت محسوس کی تو خاموشی سے بعد کے ایڈیشنوں سے یہ عبارت نکال دی اور کسی کو خبر نہ دی، یقیناً مصنف کو اپنی کتاب میں ترمیم کا حق ہے، مگر جن عبارتوں سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہو یا پھیل چکی ہو اس میں ترمیم کے وقت رجوع کا اعلان کرنا ضروری ہے تا کہ جو لوگ اس کی وجہ سے فسادِ عقیدہ میں گرفتار ہو چکے ہیں وہ بھی تائب ہو سکیں، لیکن مودودی صاحب ایسا نہیں کرتے۔ اب کون یہ پوچھے کہ اس میں موصوف کی کیا مصلحت ہے؟ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں، کوئی صاحب اگلے پچھلے ایڈیشنوں کو لے کر مقابلہ کریں تو اچھا خاصا مواد اکٹھا ہو جائے گا۔

اس طرزِ عمل سے ایک بڑی دشواری یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ناقدین جن ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر تنقید کرتے ہیں، اور بعد والے ایڈیشنوں میں کچھ ترمیم ہوتی ہے تو ان کے سر یہ الزام تھوپا جاتا ہے کہ حوالہ غلط نقل کرتے ہیں، اور پوری قوت سے یہ اتہام لگایا جاتا ہے۔ صورتحال کے واضح ہو جانے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ غلطی کس کی ہے؟ امید ہے کہ یہ معروضات اصل کتاب کے سلسلے میں موجب بصیرت ہوں گی۔

اعجاز احمد اعظمی

مدرسہ دینیہ، غازی پور (یوپی)

۵/ مارچ ۱۹۷۹ء

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

موجودہ صدی کے نصف اوّل اور برطانوی حکومت کے عہد آخر میں غیر منقسم ہندوستان میں متعدد دینی اور سیاسی تحریکیں اٹھیں، جن کی پیہم کاوش اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر انگریزوں کو بساطِ حکومت لپیٹنی پڑی، اس دور میں مسلمانوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ انگریزوں کے رُخصت ہوجانے کے بعد یہاں اسلامی حکومت کی تشکیل وتعمیر کی جائے، تاکہ انگریزی حکومت کے ڈھائے ہوئے مظالم کی بیخ کنی کی جاسکے، اور مسلمانوں کے لئے ایسا اسلامی نظام مرتب کیا جائے جو عام بشری تمدن کی فلاح اور بالخصوص ملت اسلامیہ کے لئے دین وسیاست، اجتماعیت وحکومت وغیرہ میں عروج وارتقاء کا زینہ بن سکے۔ ان حالات میں جبکہ عام طور پر کسی ایسی تحریک کا انتظار تھا جس سے یہ مقصد پورا ہو۔ مودودی صاحب نے اپنی تحریک ”جماعت اسلامی“ کا آغاز تجدید احیائے دین کے خوشنما اور جاذب نظر دعویٰ کے ساتھ کیا، اور حکومت صالحہ کی تاسیس وتعمیر کا نعرہ لگایا، ان دنوں حالات کچھ ایسے تھے کہ بہت جلد مسلمانوں کا ایک طبقہ لبیک کہتا ہوا اس دعوت کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے اس تحریک میں اپنی تشنگی بجھتی ہوئی اور قیادت کا خلاء پُر ہوتا ہوا محسوس کیا، مختلف حلقوں سے دادِ تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں، اور بعض نے تو باقاعدہ شمولیت اختیار کرلی، جس کے باعث یہ تحریک بہت تیز گامی

کے ساتھ آگے بڑھنے لگی اور اس کا حلقۂ اثر وسیع اور مضبوط ہوتا چلا گیا۔

مگر! افسوس کہ مودودی صاحب کے قلم سے کچھ ایسی چیزیں نکلیں جن سے اربابِ بصیرت چونک پڑے، انھوں نے اپنے نورانی قلوب اور بصیرت ایمانی سے محسوس کرلیا کہ مودودی صاحب کے افکار ونظریات میں ضلالت وگمراہی کا زہر، زمانۂ قدیم سے اب تک کے اکابر واسلاف کی راہ انحراف وگریز اور ان پر طنز وملامت کے تیر ونشتر ......جس کے اہل ضلالت ہر زمانہ میں خوگر رہے ہیں...... موجود ہیں، چنانچہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ موصوف کے نزدیک اسلام عہد اول ہی میں اپنے ماننے والوں کی کمزوریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ناکام ہوکر رہ گیا تھا، اس کی ترقی وعروج کے مبارک ایام معدودے چند سال سے آگے نہ بڑھ سکے، اور ان میں بھی کمزوری وضعف کا ظہور ہوتا رہا۔

سبحان اللہ! جس دین کو تمام ادیان پر غلبہ دینے کا اللہ نے اعلان فرمایا، قیامت تک اسے باقی رکھنے کا وعدہ کیا، اور آنحضرت ﷺ نے بھی پکار کر فرمادیا کہ امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا’’ آپ کی امت خیر امت ہے‘‘ یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی، اس امت کی مثال بارش جیسی ہے جس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر، اور یہ کہ اس دین کے حامل اخلاف میں ہمیشہ ایسے عادل وثقہ ہوتے رہیں گے جو’’**تحریف غالین**‘‘ اور’’ **انتحال مبطلین**‘‘ کو رد کرتے رہیں گے، وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات بینات اور آنحضرت ﷺ کے روشن وواضح ارشادات ہیں، جو اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ ہر دور اور عصر میں اس امت کے اندر حق وسلامتی کی راہ باقی ودائم رہے گی، اگر کوئی شخص ان صاف

وصریح ارشادات کے بعد بھی اس کے خلاف دعویٰ کئے جائے تو بلاشبہ وہ اللہ ورسول کی تکذیب کرتا ہے، تعجب ہے کہ کیا مودودی صاحب جیسے افراد اس دین کی ''نشأۃ ثانیہ'' کریں گے، جو کام خلفاً عن سلفٍ کبھی نہ ہوا اسے انجام دیں گے، مودودی صاحب کے ان طول طویل دعووں نے خاص خاص اکابر کو چونکا دیا بلکہ جھنجھوڑ دیا، حالانکہ وہ ایک درجہ میں حسن ظن قائم کر چکے تھے، صورتحال کے واضح ہو جانے کے بعد دین کے تحفظ اور اس شجرۂ ضلالت کے استیصال کے لئے یہ حضرات کمر بستہ ہو گئے۔

انھیں مخصوص اکابر میں برکت عصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی دامت برکاتہم کی شخصیت بھی ہے جن کی علم حدیث میں متعدد بلند پایہ تالیفات ہیں اور جنھوں نے اپنی پوری زندگی تدریس وتالیف کے راستے سے خدمت علم میں گزار دی۔ شیخ نے ایک اہل علم کے نام جو مودودی صاحب کے افکار وخیالات سے متاثر تھے، ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا جو بعد میں طبع ہوا، حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے اس پر مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا، چنانچہ اس مبارک حکم کی تعمیل میں یہ چند سطریں لکھی گئی۔ **واللہ ولی الہدایۃ والتوفیق**

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آله وصحبه أجمعین ومن تبعهم إلیٰ یوم الدین۔

گزارشِ احوالِ واقعی :أما بعد! اَزَل سے کائناتِ عالم میں سنت الٰہی یہی چلی آرہی ہے کہ دنیا کا کوئی کمال ہو، خواہ کسی فن میں ، حذاقت ہو یا کسی دنیوی صنعت میں مہارت، مثال کے طور پر آہن گری، نجاری، صباغی، دباغت، خیاطت، حیاکت یا ان کے علاوہ اور کوئی بشری صنعت ہو اس میں مہارت وکمال کی تکمیل بدون اربابِ فن سے استفادہ اور بغیر ماہرین سے اکتساب وتعلم کے نہیں ہوسکتی، معمولی صنعتوں کا تو یہ حال ہے پھر سمجھا جاسکتا ہے کہ ان سے بڑھ کر جو علوم وفنون مثلاً علم طب، سرجری، ہندسہ، حساب، منطق، فلسفہ اور علوم طبعیہ وغیرہ ہیں ان کے حصول میں یہ چیز کس درجہ اہمیت رکھتی ہوگی، حالانکہ سب علوم وفنون خواہ کتنے ہی مشکل ہوں ان سب کی ایجاد واختراع عقل انسانی، تجرباتِ بشری ہی کی رہین منت ہے، جب ان کا حال یہ ہے کہ ماہرین سے اخذ واستفادہ کے بغیر ان میں کمال نہیں پیدا ہوسکتا تو ایک قدم آگے بڑھ کر سوچیے کہ حقائق الٰہیہ، علوم نبوت، معارف رسالت، احکام شریعت اور قرآن وسنت کا معاملہ کس درجہ اہم ہوگا، جن کا سرچشمہ سرمدی اور جن کا سوتا ہمیشہ رواں دواں ہے، جن کا تعلق وحی آسمانی وعالم غیب سے ہے، لانے والے جبرئیل امینؑ ہیں، مرکز نزول نبی امی (فداہ ابی وامی) کا سینۂ اطہر ہے، اور جن علوم کی وجہ سے آپ اعلم الاولین والآخرین قرار پائے۔ **علیہ صلوٰۃ اللّٰہ وسلامہٗ۔**

اللہ وعز وجل نے معلم بن کر وحی ربّانی کے ذریعے جس تک رسائی سے عقل انسانی کی پرواز قاصر ہے، تعلیم دی۔ اور انبیاء نے متعلم اور مستفید بن کر یہ علوم اخذ کئے پھر انبیاء علیہم السلام سے اکتساب وتعلم کے لئے ان کے قرب وصحبت، ان کے نورانی نفوس قدسیہ سے اقتباسِ نور، اور ان کے مقدس قلوب کی توجہات حاصل کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ قرب وصحبت مستفیدین کے قلوب اور تعلیم کی جانب ان حضرات کی علمی، عملی اور روحانی توجہات، طبائع کی تشکیل، ان کے ظاہر وباطن کی اصلاح اور نفوس کے تزکیہ میں بے حد مؤثر ہوتی ہیں، بالآخر انھیں علوم میں رسوخ حاصل ہوجاتا ہے، اور انبیاء کے نور سے ہدایت یاب ہوجاتے ہیں۔

یہی شاگرد وتلامیذ انبیاء کے اصحاب کہلاتے ہیں، صحابی کا یہ لقب ان حضرات کے علم ودیانت، اخلاق وسیرت اور خوبیٔ باطن کے فضل وکمال کی سب سے اعلیٰ تعبیر ہے، ان کے مجد وثنا کے اظہار کے لئے اس کا ہم پایہ کوئی لفظ اور کوئی تعبیر نہیں۔ کھلی بات ہے کہ معلم کی توجہ اور افادہ میں جو تاثیر ہے وہ کسی کتاب میں لکھے ہوئے الفاظ وعبارت سے کیسے حاصل ہوسکتی ہے، نبی کے ہی اصحاب، ان کے خلیفہ اور ان کے علوم ومعارف اور انوار وآثار کے بہترین وارث ہوتے ہیں، ان میں جس کی صحبت نبی کے ساتھ جتنی طویل ہوتی ہے اور اس کی طبیعت میں جتنی قوت اور استعداد ہوتی ہے اس کے بقدر اخلاق وسیرت، طور وطریق اور ظاہر وباطن میں انبیاء کے مشابہ ہوتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ استفادہ وتعلم سے استغناء درست نہیں ہے، کسی کی صحبت ورفاقت میں رہ کر سیکھنا ہی طریق مستقیم ہے، پھر علوم نبوت اور ان کی

وراثت ہی نفوس کی ہدایت اور بندوں کے رُشد وصلاح میں درحقیقت خلافت نبوت ہے، پھر انسانوں کے ساتھ ابلیس لعین کی جیسی کچھ سخت عداوت ہے، ظاہر ہے وہ آدمی پر طریق ہدایت اور راہِ ضلالت کو خلط ملط کر دینا اس کے بغض وعناد کا معلوم ومعروف طریقہ ہے، وہ انسانوں کے سامنے شر وضلالت مزین کر کے پیش کرتا رہتا ہے اور مختلف دقیق تدابیر سے وساوس اِلقاء کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ شر خیر کی صورت میں محسوس ہونے لگتا ہے، ایسے ہی آدمی کا ہمہ وقتی رفیق وجلیس یعنی ''نفس امارہ'' بھی قلبی امراض ورذائل، حب جاہ وشہرت، خودرائی، اتباعِ ہویٰ وغیرہ کی بنیاد ہے، جیسا کہ ان امراض کی جانب حدیث نبوی میں ارشاد ہے:

إذا رأیت شحاً مطاعاً وهوىً متبعاً ودنیا مؤثرة وإعجاب کل ذی رأی برأیه فعلیک یعنی بنفسک ودع عنک العوام، رواه ابوداؤد من حدیث ثعلبة الخشنی۔

جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت عام ہوگئی ہے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہونے لگی ہے اور دنیا کو ترجیح حاصل ہوگئی ہے، اور ہر شخص اپنی ہی عقل ورائے پر پھولا ہوا ہے تو پھر تم اپنے آپ کو سنبھالو اور عوام کا معاملہ ترک کر دو۔

یہ باطنی امراض نفس کے وہ مشکل ترین روگ ہیں جن کے علاج کے لئے مسلسل مجاہدات، کڑی ریاضت اور کمالِ اخلاص وصدقِ عزیمت کے ساتھ ایسے مشائخ وارباب قلوب کی طویل صحبت کی ضرورت ہے جن کے نفوس تزکیہ وتربیت سے جلا پاچکے ہوں، پھر یہ بھی کہ اللہ کی مشیّتِ ازلی طبائع کی اِصلاح وتربیت سے متعلق ہوچکی ہو تب کہیں ان کی تہذیب وآرائش ہوتی ہے، ورنہ آدمی وادیٔ ضلالت میں ٹھوکریں کھاتا اور حیرانی ومحرومی کے میدانِ تیہ میں بھٹکتا ہی رہتا

ہے۔ تاریخ انسانی کا بغور مطالعہ کرنے والوں اور دنیا کے ذکی و ذہین افراد کے حالات جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اکثر علمی فتنے بڑے بڑے علماء وفضلاء کی جانب سے اٹھے ہیں، جو اپنی کاوش و تحقیق میں اس درجہ منہمک ہوئے کہ جمہورِ امت کی راہِ اعتدال سے بعید ہوتے چلے گئے، ان کے افکار وخیالات میں تفرد وشذوذ کا عنصر غالب آتا گیا اور جادۂ حق سے دور نکل گئے، درحقیقت عالم کے لئے اس دنیا میں سب سے بڑا فتنہ ''اِعجاب بالرائے'' خودرائی کا فتنہ ہے۔

غور کرو! جب یہ حال محقق علماء، اربابِ تبحر اور اصحابِ عقل وذکاوت کا ہے تو پھر ایسے افراد واشخاص کی گمراہی کس درجہ پہونچے گی جو اہل کمال سے اخذ واستفادہ بھی نہیں کر سکے ہیں، انھیں کوئی ایسا مربی نہ مل سکا جو ان کی تربیت وتزکیہ کرتا اور اغلاط پر متنبہ کرتا رہے، وہ اسی گمانِ باطل میں پڑے رہے کہ مطالعۂ کتب کی رہنمائی ہی ان کے لئے کافی ہے، بالخصوص اگر انھیں ذکاوت وذہانت اور قدرت بیان کا بھی کچھ حصہ ملا ہو تب تو پوری مصیبت ہو جاتی ہے۔ خائب وخاسر ہوئے، ظلمات میں گھس پڑے، ہفوات وخرافات میں مبتلا ہوئے، پھر انشاء پردازی کی مہارت اور تیزیٔ قلم کے زور سے عام مسلمانوں اور بالخصوص اپنے پیروؤں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں، ان کا قلم ہر میدان میں بڑی تیزی اور جوش کے ساتھ رقص کرتا ہوا چلتا ہے۔ انھیں مباحث کے تحلیل وتجزیہ اور افکار وخیالات پر نقد وتبصرہ کی بڑی قدرت حاصل ہوتی ہے، پس علم اگرچہ ناتمام ہو مگر زورِ قلم فکر ونظر کو گرفتار کرتا ہے، عام لوگ جب ان کی بعض نفیس تحقیقات اور جاذب نظر تحریریں دیکھتے اور پڑھتے ہیں یا دقیق مباحث کو آسان تر تعبیرات میں بیان کرنے کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بس اسی پر انھیں پسندیدگی کی سند

دیدیتے ہیں، اور ان کے افکار ونظریات پر فریفتہ ہوجاتے ہیں، اس کے بعد جہاں جہاں ان کے اقوال اور تحریریں جمہور امت سے متصادم ہوتی ہیں تو جمہور ہی کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے، اور انھیں کے سر غباوت اور عجز بیانی کی تہمت تھوپی جاتی ہے بالخصوص جبکہ یہ مدعیانِ علم وتحقیق اوائل واواخر سب پر تنقید بھی شروع کردیں، ان پر کوتاہی فہم وادراک کی تہمت اور عرفان حقائق سے کوتاہی عقل کا الزام دھرنے لگیں، اور ان کی جماعت ان کی نصرت وحمایت میں اٹھ کھڑی ہو، نیز ان کی تعریف وتائید میں ہر طرح کی باتیں کہنے لگ جائیں، تب تو مصیبت عام، فتنہ سخت اور پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیشوا اور پیرو سب ہلاکت میں جاپڑتے ہیں، پھر اگر آدمی بہت ذہین وچالاک بھی ہو کہ پس پردہ چیزیں نگاہ میں رکھتا ہو، قیادت وامارت کا حریص بھی ہو، اور اپنی بحث وتحقیق اور انشاپردازی کے زور کو تحریک کے فروغ اور اس کے نفوذ کا ذریعہ بھی بنائے تو معاملہ کی نزاکت خاصی بڑھ جاتی ہے، اس کے بعد تو اللہ عزوجل کا یہ ارشاد صادق آنے لگتا ہے: **لَاعَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ** ، آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، مگر یہ کہ وہی کسی پر رحم کرے۔

پناہ بخدا! ''یہ مشتے نمونہ از خروارے'' ہے۔

اس صفِ اخیر میں ایک بڑی اور طاقتور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ہے، جو ہمارے اس دور میں ابھری ہے، بہت سی کتابوں کے مصنف اور مقالہ نگار! جن کی تالیفات مشرق ومغرب میں پھیلیں، دنیا کے اکثر حصے میں پہونچیں، ممالک عرب میں بھی مقبول ہوئیں، بہت سے لوگ اور بہت سے خطے متاثر ہوئے، کیونکہ انھوں نے قیادت وامارت کے دلفریب نعرے لگائے اور اس

دعویٰ کے ساتھ اٹھے کہ عالم میں وہ تنہا فردِ فرید ہیں جن کے جہود ومساعی ”اقامت دین“ ”تجدید دین“ و”احیائے دین“ اور ”اقامت حکومت صالحہ“ کے لئے وقف ہیں، اس سلسلے میں ان کا اُسلوبِ تعبیر بہت خوشنما اور دلفریب ہوتا ہے، اس وقت ہندوستان کی تمامتر قوت حکومت برطانیہ کے غلبہ وتسلط کے مقابلے میں برسرپیکار تھی، مظلوم رعایا وظالم حکومت میں زبردست ٹکر چل رہی تھی، پورا ملک دو بڑی سیاسی پارٹیوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کا شوروغوغا آسمان تک پہونچ رہا تھا، ان سیاسی حالات میں مودودی صاحب کی شخصیت ابھری۔ قدرتی طور پر مختلف حلقوں سے ان کی دعوت پر قبولیت کی صدائیں بلند ہوئیں اور ان طوفانی حالات میں جو اس وقت بحر متلاطم کی طرح موجزن تھے ان کے سیاسی افکار پر لبیک کہی گئی۔ اے کاش! وہ اسی پر اکتفا کئے ہوتے اور تفسیر کی گہرائیوں میں نہ اترتے، سنت پر مقالات نہ لکھتے، تفہیمات، تنقیحات اور دیگر مسائل پر رسائل تصنیف نہ کئے ہوتے، جن کی نہ تو ان میں صلاحیت تھی اور نہ ان علوم میں انھیں رسوخ حاصل تھا۔

مناسب تو یہ تھا کہ ان کی کدوکاوش کا دائرہ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کا درس دینے اور انھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں محدود ہوتا، اتحادِ کلمہ اور اتفاق جماعت کی اہمیت اور انتشار وافتراق کے اندیشہ کے پیش نظر عقائد وجذبات اور مسائل کی بحث بالکل نہ چھیڑتے۔ کاش اگر ایسا ہوتا تو آج وہ ایک عظیم شہرت کے مالک، مقبول ومحبوب اور کامیاب وظفرمند لیڈر وقائد ہوتے، ...... بڑا مبارک ہوتا اگر صرف اتنا ہی ہوا ہوتا...... کیونکہ ان کے تیز گام قلم، انشا پردازی کے ملکہ، حسن تعبیر پر زبردست قدرت، اور بہتر سے بہتر اسلوب کی

صنعت گری میں ان کے کمال مہارت کی قلب ونظر میں بڑی تاثیر وگہرائی پائی جاتی ہے، تاہم افسوس ہے، اور شدید افسوس ہے کہ موصوف نے اپنے مقالات ومضامین میں زمانۂ قدیم سے اب تک کے سلف صالحین، مفسرین، محدثین، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور متکلمین سب ہی پر نقد وتبصرہ کا بازار گرم کردیا، اور ایسی باتیں کرگئے جو دینی اور علمی کسی اعتبار سے قابل تحمل نہیں۔

افسوس کا باعث ایک یہ بھی ہے کہ مودودی صاحب نے انگریزی تعلیم صرف ہائی اسکول تک حاصل کی ہے، اور عربی کی مبادیات گھر پر پڑھیں، پھر حیدرآباد کے کسی کالج میں داخلہ لیا، جہاں عربی تعلیم کے ساتھ ہی دینی تعلیم کی مبادیات سے بھی آشنا کرایا جاتا تھا، والد بزرگوار وکیل تھے، اور فالج کے شکار ہوکر وکالت ترک کردی تھی، چار برس اس حال میں گزار کر وفات پاگئے۔ **غفر الله ورحمهٗ۔**

اس کے نتیجے میں مودودی صاحب عین عنفوانِ شباب میں تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی کسب معاش کے لئے مجبور ومضطر ہوگئے، کسی زمانے میں بدقسمتی سے اردو کے ایک بڑے ادیب اور زبردست ملحد مصنف کی صحبت میں جاپہونچے ...... نیاز فتحپوری (۱) ...... اور بڑی حد تک اس کی صحبت سے متاثر ہوئے، چنانچہ خود مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''ڈیڑھ سال کے تجربے نے سبق دیا کہ دنیا میں باعزت زندگی

---

(۱) نیاز فتحپوری کا آخری انجام یہ ہوا کہ وہ دین سے نکل گیا، اس نے جنت اور دوزخ کا مذاق اُڑایا، اس کے صریح کفریات کے باعث علماء اسلام کا اس کے مرتد اور کافر ہونے پر اتفاق تھا، اس نے توبہ بھی کی اور کچھ دنوں اس پر قائم بھی رہا، مگر پھر مرتد ہوگیا، اور اپنے کھلے کفر پر جما رہا، **والعیاذ بالله ولاحول ولاقوة إلا بالله۔**

> بسر کرنے کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ضروری ہے، اور معاشی استقلال کے لئے جدوجہد کے بغیر چارہ نہیں، فطرت نے تحریر وانشاء کا ملکہ ودیعت فرمادیا تھا، عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی، اسی زمانے میں نیاز فتحپوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے، ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی، غرض ان تمام وجوہ سے یہ فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلۂ معاش قرار دینا چاہئے۔“
>
> (مولانا مودودی، ص: ۱۷۲، اسعد گیلانی)

یہاں انھوں نے اصل حقیقت سے پردہ اٹھادیا ہے اور اپنی نیت و خواہش کا اظہار کرہی دیا۔ اب ان کے قدم آگے بڑھے، اپنے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی کی معیت میں اخبار ”مدینہ“ بجنور کی ادارت میں جاپہونچے، بعض سیاسی حالات کے باعث وہاں سے علیحدہ ہوئے تو انجمن اعانت نظر بنداں اور ہفتہ وار جریدہ ”تاج“ سے رشتہ اُستوار کیا، خود لکھتے ہیں کہ: ”میں وہاں کام کرتا رہا، یہاں تک کہ جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید کی سرپرستی میں اخبار ”مسلم“ جاری کیا، اور میں اس سے متعلق ہوگیا۔

مودودی صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک کا دور میرے لئے سخت ترین دور تھا، زمین مجھ پر تنگ تھی، شہر در شہر مارا مارا پھرا، تعلیم مکمل نہ کرسکنے کا بھی افسوس تھا، مصایب دفع کرنے کی قدرت نہ تھی، یہاں تک کہ دہلی میں اقامت اختیار کی، اور اخبار الجمعیۃ میں جو جمعیۃ علماء ہند کے اہتمام سے نکل رہا تھا، مضامین لکھنے لگا اور پرائیویٹ طور پر تعلیم مکمل کرنے کی سعی بھی کرتا رہا، مقصد یہ تھا کہ کچھ کتابیں ادب و منطق اور تفسیر وحدیث کی پڑھ لوں۔ مودودی

صاحب پھر دہلی سے حیدر آباد چلے گئے اور سوچا کہ کسب معاش کا کوئی مستقل ذریعہ اختیار کریں، چنانچہ تصنیف وتالیف کے مشغلہ میں لگ گئے ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں ماہنامہ ’’ترجمان القرآن‘‘ جاری کیا، ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں ایک رئیس کی مالی اعانت سے پٹھان کوٹ میں ادارہ دار الاسلام قائم کیا، اس ادارہ کے قیام میں ان کے معاون چار رفقاء کار، مولانا محمد منظور نعمانی ...... در حقیقت یہی بزرگ اس ادارہ کے قیام کے محرک تھے...... مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی تھے۔

چند سال بعد ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) میں اپنی مشہور تحریک ’’جماعت اسلامی‘‘ کا آغاز کیا، جب مودودی صاحب کے مقالات اور تصانیف ان کے سیّال قلم سے بلیغ انشاپردازی کے ساتھ نکلیں اور پھیلیں تو لوگوں کی نگاہوں پر چڑھ گئیں، اور ہر طرف سے تعریف وتوصیف ہونے لگی، چنانچہ بعض مشاہیر اہل علم مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد الماجد دریابادی جیسے اکابرین کی جانب سے بھی خراج تحسین موصول ہوئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ نوجوان طبقہ ان کی تحریروں پر ٹوٹ پڑا اور ان کے فضل وکمال کا معتقد ہوگیا، اس طرح مودودی صاحب کا شہرہ خوب پھیل گیا، لیکن جب بہت سے اہل علم اور اربابِ فضل وکمال نے ان کے مضامین ومقالات کی خامیاں اور فکر ونظر کا تفرد وانحراف محسوس کر لیا اور ان کی باتوں اور ان کے مقاصد...... جن کیلئے وہ مختلف تدبیروں سے سعی وکوشش کرتے رہے تھے...... کے خطرناک عواقب وانجام اپنے روشن قلوب اور نورانی فراست سے بھانپ لئے، تو سب سے پہلی تنقید جو ان پر کی گئی وہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے ہفت روزہ صدق میں بعنوان ’’خارجیت

جدیدہ'' شائع ہوئی، پھر خود مدیر صدق مولانا عبدالماجد دریابادی کو بھی تنبہ ہوا، چنانچہ ان کا قلم بھی ردِ مودودیت میں اٹھا۔ اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی اور پھر شیخ العصر وشیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ادھر توجہ فرمائی، پھر ان کے ''عناصر اربعہ'' میں سے دو یعنی مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جیسا کہ مجھے یاد ہے صرف چھ ماہ بعد ہی ان سے علیٰحدگی اختیار کرلی، تیسرے رکن مولانا امین احسن اصلاحی ایک عرصہ تک ان کے رفیق کار رہے، مگر جب ان کے عقائد وأفکار میں بہت سی ناقابل تاویل گمراہی محسوس کی تو وہ بھی الگ ہوگئے، چوتھے رفیق مولانا مسعود عالم ندوی کچھ عرصہ ہوا انتقال کر گئے۔ (سامحہٗ اللّٰہ بفضلہ)

حاصل کلام یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اساتذہ سے علم دین کی تحصیل وتکمیل نہیں کی، علومِ عربیہ میں پختگی سرے سے حاصل ہی نہیں کی، علماء کاملین وراسخین کی صحبت سے مستفید نہیں ہوئے، کچھ مبادیات سے آشنائی ہوئی اور مطالعہ وذہانت کے زور سے آگے بڑھ گئے، مختلف اوقات میں پرائیویٹ تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر مزید برآں یہ کہ والد کا وصال ہوگیا اور موصوف ضروریاتِ معاش کی الجھنوں میں گرفتار ہوگئے، عنفوان شباب کا زمانہ اسفار اور جرائد ومجلّات کی ملازمت کی نذر رہوا، اس طرح وہ درمیان ہی میں رہ گئے، وہ انگریزی بھی اچھی نہیں جانتے کہ اس میں باقاعدہ لکھ پڑھ اور بول سکیں، بس مطالعہ سے کچھ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ اس کی بھی تکمیل نہ کرسکے تھے، ان کی کتابوں کے جو انگریزی تراجم ملتے ہیں وہ سب دوسروں کے مرہونِ کاوش ہیں، عربی زبان پر بھی اتنی دسترس نہیں ہے کہ لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قدرت ہو، صرف

سمجھنے کی حد تک ہے، ان کی جو عربی تالیفات پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت مسعود عالم ندوی اور ان کے تلامذہ کے ترجمے ہیں، ان کے تمام تر عربی رسائل اسی نوع کے ہیں، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سب پر **من تالیفات المودودی** لکھا ملتا ہے، فی الاصل یہ محض ادعاء ہے۔

عام لوگوں نے اور بالخصوص علماء عرب نے سمجھا کہ مودودی صاحب نے بطور خود یہ کتابیں بلیغ عربی اور پختہ ادبی اسلوب میں تالیف کی ہیں مگر دور بیٹھے انھیں حقیقت حال کا علم کیسے ہوتا؟ ایک مرتبہ مودودی صاحب نے دمشق میں اردو میں مقالہ پڑھا تو مولانا علی میاں صاحب سے اس کی عربی ترجمانی کی درخواست کی گئی۔

مودودی صاحب کی یہ مختصر رودادِ حیات ہے، وہ اور کچھ ہونے سے پہلے ایک سیاسی لیڈر ہیں، اور اردو کے صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز! قلم میں زور ہے، متعدد مشاہیر ادباء سے استفادہ کیا جن سے ابتداءً ان کی تحریریں متاثر ہوئیں، پھر خود ان کا ایک خاص اُسلوب نگارش اور منفرد طرزِ تحریر ہو گیا، مباحث کے تحلیل وتجزیہ اور نظریات کی تنقیح وتنقید کا انھیں زبردست ملکہ ہے، ان کی بعض کتابیں بڑے عمدہ مباحث پر مشتمل ہیں مگر افسوس ان کا قلم بہک گیا اور گمراہ کن اور خطرناک افکار ومباحث بھی ان کی کتابوں میں شامل وپیوست ہو گئے جن سے لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے اور اہل علم متحیر رہ گئے۔ اکابر علماء میں سب سے پہلے شیخ العصر وشیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اس فتنے کے خطرناک عواقب وانجام کو محسوس کیا، ان کے بعد تو متعدد علماء ان کے خیالات ونظریات کے رد وانکار کے لئے اٹھے، لیکن چونکہ تردید کا ادبی اُسلوب کچھ بہتر نہ

تھا، بحث بھی تشنہ تکمیل تھی، یا رطب و یابس تمام چیزیں شامل ہوگئی تھیں اور اہم وغیر اہم کا امتیاز نہیں کیا گیا اس لئے عام طور پر درجۂ قبولیت تک نہ پہونچ سکیں، تاہم تردیدات وقتاً فوقتاً لکھی اور شائع کی جاتی رہیں۔ میں عرصۂ دراز تک تقریباً چالیس سال خاموش رہا، اس دوران بسا اوقات ان کی ہفوات کے ناقابل برداشت گھونٹ بھی پینے پڑے۔

مجھ پر ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ میں نے ان کے فکری ضلال میں ان کی موافقت کی ہو، تاہم بعض دینی مصلحتوں کے باعث میں نے سکوت ہی کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے مضامین جدید نسل اور نوجوان طبقہ...... جو الحاد و دہریت کے قریب ہو چکا تھا...... کے لئے ایک درجہ میں بہر حال مفید ثابت ہو رہے تھے۔ مودودی صاحب کی تحریروں میں یہ صلاحیت بھی ضرور ہے کہ ''روشن خیالوں'' کی بڑھی ہوئی انانیت اور زبان درازیوں پر لگام لگا سکیں، اس کے علاوہ جماعت کے ارکان کی جانب سے بھی سودمند چیزیں کبھی کبھی آتی رہتی تھیں، ان وجوہ سے ناپسندیدگی کے باوجود میں سکوت ہی کو بہتر سمجھتا رہا، اور انھیں مجروح کرنا نہیں چاہا کہ نئی نسل ان سے متنفر نہ ہوجائے، لیکن ادھر کئی برس سے حالات ایسے رونما ہوتے گئے کہ ان پر نقد و تبصرہ کرنے اور ان کی فکری کجروی ظاہر کرنے کے سلسلے میں میری طبیعت کشمکش سے دوچار ہوتی گئی اور سکوت طویل ہوتا گیا، اب محسوس کرتا ہوں کہ خاموشی ایک ناقابل عفو گناہ اور شدید جرم ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے افکار و نظریات کا بے لاگ تجزیہ کرکے اور خوب چھان پھٹک کر بغیر کسی رعایت و مداہنت کے حق کا اثبات اور باطل کا ابطال کردوں، کیونکہ امت کا فریضہ ہے کہ دین کی بنیادوں کو الحاد و تحریف کے رخنوں سے محفوظ رکھے، اس ذمہ

داری کا اقتضا ہے کہ یہ فریضہ بھی ادا کر دیا جائے۔

بلاشبہ مودودی صاحب کی تالیفات میں کچھ نفع بخش عناصر بھی ہیں جن سے موجودہ نسل جدید کی اصلاح ہوسکتی ہے، یقیناً اس حیثیت سے اسلامی اصول ومقاصد کو مؤثر اُسلوب میں بیان کرنا ایک اچھی خدمت ہے مگر کیا کیا جائے مصیبت قدم آگے بڑھا چکی ہے، معاملہ کی نزاکت اور فساد کی نوعیت وسیع صورت اختیار کر گئی ہے، لاریب اس کا گناہ ثواب سے بڑھا ہوا ہے، فائدہ کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہے، خیر پر شر غالب آچکا ہے، میری تمنا تو یہ تھی کہ اس کام کا بوجھ وہ اٹھائے جو اس کا سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہے، اس کی شخصیت مشہور ومعروف ہے، جس کا علمی فضل وکمال مسلم اور جس کی کتابیں عرب وعجم میں مقبول ہیں، اور جس کا دین کے تحفظ کے لئے کھڑا ہونا زیادہ سودمند ہوسکتا ہے، بمصداق عربی مثل **أعط القوس باريها** کمان اس کے بنانیوالے کے سپرد کرو۔

میرے علم میں ایسے دو حضرات ہیں جو جماعت کے رازدروں سے زیادہ واقف ہیں، اور عام طور پر مسلمان بھی ان کی آواز پر لبیک کہیں گے، میرے نزدیک ان کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہے، تاہم افسوس ہے کہ ایک طویل مدت کے انتظار کے بعد بھی ان حضرات کی جانب سے کوئی آواز نہ اٹھی، اور میری آرزو ناکام اور تمنا منقطع ہو کر رہ گئی۔ ایک صحابی کے یہ اشعار اس وقت کس قدر برمحل ہیں:

خليلى غضا ساعة وتهجرا ولوماً علىٰ أحدث الدهر اوزرا
میرے دوستو تھوڑی دیر چشم پوشی اور سکوت اختیار کرو، اور زمانے کے حوادث پر ملامت کرو یا اسے ترک کرو
ولا خير فى حلمٍ إذا لم تكن له بـوادرٍ تحمى صفوةً أن يكدرا

ایسے حلم میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس کے ساتھ کچھ   جرأت وتیزی شامل نہ ہو جواسکی پاکیزگی کوتکدر سے بچائے
ولا خیر فی جهل إذا لم یکن له   حلیمٍ إذا ماأورد الامر أصدرا
اورایسی تیزی بھی بری ہے جس کو لگام لگانے کیلئے کوئی   حلیم نہ ہو کہ جب معاملہ آگے بڑھنے لگے تو وہ روک دے

مجبوراً اس کام کے لئے ہمیں ہی کھڑا ہونا پڑا اور اس فرض کی ادائیگی ہم نے اپنے اوپر قطعی اور لازمی سمجھی، کیونکہ ایمان کی محبت اور ایمان کا تقاضائے محبت دیگر ہر تقاضے سے بڑھ کر ہے، بالخصوص ایسے شخص کے تعلق ومحبت سے جس کو اس کا فکر وقلم حق وصداقت سے دور وادیٔ ضلالت میں بھٹکا چکا ہو۔ الغرض ہمارے نزدیک دین کا تحفظ اور مدافعت ہر شی سے اہم اور مقدم ہے، یہ تنقید وتبصرہ میرے اوپر بہت گراں ہے اور سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے طعن وملامت کا مورد اور سب وشتم کے تیروں کا نشانہ بننا پڑے گا، بالخصوص ان کی اس جماعت کی جانب سے جو ان کی ظاہری آب وتاب پر فریفتہ ہے، اور سمجھتی ہے کہ مودودی صاحب کی شخصیت وہ تنہا شخصیت ہے جو دین کی بے مثال خدمت انجام دے رہی ہے مثلاً رابطہ عالم اسلامی کے ارکان، نجد وریاض کے مشائخ، ان کے علاوہ بھی ممالک عربیہ کے بہت سے حضرات جو دین ومذہب سے شیفتگی کے باعث ان کی خدمات دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوگئے ہیں۔

تاہم میرا خیال ہے کہ سعودی عرب کے علماء ان کی اردو تالیفات میں بھرے ہوئے خرافات، حق سے انحراف، صحابہ کی تنقیص ومذمت، خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین وتذلیل، شرعی اصطلاحات اور قرآنی آیات میں تحریف وتبدیل اور سلف صالحین کی بے حرمتی سے اگر واقف ہوجائیں اور ان کے زہریلے اور خطرناک مواد پر مطلع ہوجائیں تو سب سے پہلے وہی مودودی

صاحب کی توقیر واجلال سے اظہارِ برأت اوران کے افکار ومعتقدات کا ردوانکار کریں گے ۔ ہم اہل عرب کی طبیعتوں اور مزاج سے واقف ہیں ، بلاشبہ حق وصداقت کے صریح اتباع وانقیاد میں سب سے آگے ہیں، اس میں کسی طرح کی مداہنت اور رورعایت کی ان کے یہاں گنجائش نہیں ہوتی ، اور ضلالت وگمراہی کے منہ زور گھوڑے پر سختی سے لگام لگانے والے لوگ ہیں۔ سنت پر عمل اور بدعت اور خرافات سے اجتناب میں نہایت شدت برتتے ہیں ، مجھے معلوم ہے کہ مودودی صاحب کی ظاہری چمک دمک سے یہ حضرات فریب کھا گئے ہیں اوران کے لمبے چوڑے دعوؤں سے یہ سمجھے کہ پاکستان میں تجدید احیائے دین کے وہ تنہا داعی ومناد ہیں ، وہاں وہی بیچارے ایک مظلوم اور ستم رسیدہ ہیں جنھیں دین کی خاطر شدید مصائب وآلام برداشت کرنے پڑے ہیں اور یہ کہ ان کے کارناموں کی کوئی شخص ہمسری نہیں کرسکتا وغیر ذٰلک ۔ لیکن ان کی کتابوں اور مضامین میں جو خرافات بھری ہیں اس کا انھیں کیا علم ؟ ان سب کا عربی ترجمہ تو ہوا نہیں اور نہ ان کے کانوں تک وہ باتیں پہونچیں، ترجمہ تو فقط ان کتابوں کا ہوا ہے جن سے مودودی صاحب کی شخصیت علماء عرب میں مقبول ومحبوب ہو، پھر انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کے قلب وجگر میں جاہ اور منصب اور لیڈری وقیادت کا کیسا بے پناہ جذبہ رچا اور بسا ہے، اوران کے مزاج میں کس درجہ کبر وپندار مسلط ہے۔ **والغیب عند اللّٰہ**

علماء عرب کو اگر یہ سب امور معلوم ہو جائیں تو جیسا کہ ہمیں اندازہ ہے فوراً مودودی صاحب سے اظہار برأت کریں گے، ان کی سادگی طبع اور سلامت فکر کا ہمیں خوب تجربہ ہے کہ اگر عین بحث وجدال میں بھی ان پر حق واضح ہو جاتا

ہے تو اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں، ایسا بہت ہوا کہ بعض لوگ علم وقلم کی ظاہری آب وتاب کی وجہ سے ان کے نزدیک محبوب ومقرب ہوئے مگر جب حق وراستی سے ان کا بعد، بعض امور میں غلو اور جادۂ قدیم سے خروج ظاہر ہوا تو بغیر کسی مداہنت کے ان سے برأت ظاہر کی، **فجزاھم اللہ خیراً**، اور اس کی مثال **تعیمی** صاحب مؤلف صراع اور ناصر البانی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ علماء عرب مودودی صاحب کے بارے میں بھی نظر ثانی کریں گے، اور ان کے بے بنیاد اور باغیانہ افکار وخیالات پر غور کریں گے، **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔**

خدا گواہ ہے کہ تردید مودودیت میں خالصاً لوجہ اللہ کھڑا ہوا ہوں، مدح وثنا کی کوئی خواہش ہے نہ تحقیر وملامت کا کچھ خوف، اس موقع پر سیّدنا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا شعر دہراتا ہوں۔

وذٰلک فی ذات الالہ وإن یشاء
یبارک علیٰ اوصال شلو ممزع

اور یہ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے، اور اگر وہ چاہے تو جسم کے تمام ٹکڑوں میں برکت دیدے۔

جبکہ ابو العلا معری نے لزوم مالا یلزم میں کہا ہے۔

ونرجو من اللہ ثواباً مجازیاً   ولہٗ علینا فی القدیم تسلّف

اور اللہ سے ہمیں بطور عوض ثواب کی امید ہے، اور پہلے ہی ہمارے اوپر اس کے احسانات ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے اب سے بیس سال پہلے اپنے مدرسہ کے ایک استاد مولوی محمد زکریا قدوسی...... جو مودودی صاحب کے افکار سے متاثر ہوکر جماعت اسلامی سے منسلک ہوگئے تھے...... کے نام ایک خط لکھا تھا اور ازراہِ ہمدردی انھیں مودودی صاحب کی

کجروی اور گمراہی پر متنبہ کیا تھا، اس کے علاوہ ایک مستقل کتاب بھی تالیف فرمائی تھی جس میں ان کے باطل نظریات اور گمراہ کن خیالات جمع کردئے تھے، افسوس وہ کتاب طبع نہ ہوسکی، البتہ مکتوب اولاً اُردو میں شائع ہوا، پھر ہمارے دوست جناب ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ہزاروی نے اس کا عربی ترجمہ مع تخریج احادیث کے کیا، ہم یہ مکتوب مبارک امت کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس میں مودودی صاحب کے فکر ونظر کی جانب اشارے اور نتیجہ میں پیدا شدہ ضلالت وگمراہی کی نشان دہی کی گئی ہے، کتاب ناظرین کے پیش نظر ہے، نقل واقتباس کی کچھ حاجت نہیں، البتہ ان کی کھلی گمراہیوں کے چند نمونے بھی پیش کرتا ہوں۔

اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ میں علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کردوں کہ مودودی صاحب کج رہ، گمراہ اور گمراہ کن ہیں، ان کے مضامین ورسائل میں بہت ساری خرافات ہیں، ان میں بعض موجب فسق ہیں اور بعض بدعت والحاد کا دروازہ ہیں، بعض لائق سکوت، کچھ ایسی بھی باتیں ہیں جن سے قطعی یقین ہوجاتا ہے کہ وہ دین سے ناواقف اور جاہل محض ہیں، ان میں تضاد بیان اور شدید قسم کی لغزشیں ہیں، اور زمانہ قدیم سے اب تک کے سلف صالحین کی تجہیل وتحمیق ہے، اسلاف کے کارناموں کی یہ تحقیر اور نقد وتبصرہ، ان کی ناقابل تحمل خودرائی اور ان کے مزاج میں جمی ہوئی ناخوشگوار کبر وانانیت اور پندار کی واحد دلیل ہے، ہم عنقریب اس پر مستقل کتاب تالیف کرنے والے ہیں جس میں ان کے فکری ضلال کو بالاستیعاب جمع کریں گے(۱)۔ یہ مختصر مقدمہ تو بس چند نمونوں سے زیادہ کا متحمل نہیں۔ **إن أريد إلا الاصلاح مااستطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب۔**

---

(۱) افسوس مولانا کا انتقال ہوگیا، اور یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مودودی صاحب کے نظریات

(اللہ، رب ، عبادت ، دین، مودودی صاحب کی نظر میں)

(۱) مودودی صاحب اپنی کتاب ’’قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں‘‘ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ: اللہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ۔ قرآن کی تعلیم سمجھنے کے لئے ان چاروں اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے، اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ اللہ اور رب کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے اور دین کس کو کہتے ہیں؟ تو دراصل اس کے لئے پورا قرآن بے معنی ہو جائے گا، وہ نہ توحید کو جان سکے گا، نہ شرک کو سمجھ سکے گا، نہ عبادت کو اللہ کے لئے مخصوص کر سکے گا اور نہ ہی دین کو خالص کر سکے گا، اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اس کے لئے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہو گی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ (ص:۱۰)

پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ: لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ...... اپنی پوری وسعتوں سے سمٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا، اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے اللہ، رب،

عبادت اور دین کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے، ان ہی دونوں وجوہ سے دورِ آخر کی کتب لغت وتفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ (ص:۱۲)

پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ: پس یہ حقیقت ہے کہ ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد واعمال میں جو نقائص نظر آرہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ (ص:۱۴)

کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر میں رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا امر فرمایا کہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں آپ سے ہوئی ہوں ان سے استغفار کریں، مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> ''اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک! اس تیئیس سال کے زمانہ خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوگئی ہیں انھیں معاف فرمادیں۔''

بحث ونظر:

مودودی صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا الفاظ کے معانی اور ان سے اللہ کی مراد نہ تو کسی اہل لغت نے سمجھی اور نہ مفسرین ہی ادراک کر سکے ......اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے......ایسا وسیع وعریض دعویٰ کہ موصوف کے سوا کسی نے ان کو نہیں سمجھا، یہ انھیں کا حصہ ہے، پھر عجیب در عجیب بات ہے کہ

مودودی صاحب نے جب اس کی تفسیر وتشریح کرنی چاہی تو انھیں ائمہ لغت...... جو ان الفاظ کے معانی سے بے بہرہ تھے ...... سے دریوزہ گری کرنے پر مجبور ہوئے، مزید لطف یہ ہے کہ متقدمین ائمہ لغت ابوعبیدہ، ابوعبید، ابوحنیفہ دینوری .... اور ان کے بعد ازہری، جوہری کے آستانہ تک بھی ان کی رسائی نہ ہوسکی، ......متاخرین مثلاً ابن اثیر جزری کی ’’نہایہ‘‘ ابن منظور افریقی کی ’’لسان العرب‘‘ اور فیروزآبادی کے ’’قاموس‘‘ کے گرد چکر کاٹ کر رہ گئے، بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ جناب! یہ وہی لوگ تو ہیں جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے، اس بناپر ان الفاظ کے معانی ومراد جو عرب میں مستعمل تھے نہ سمجھ سکے، پھر جب آپ کو ان کے حقیقی ومجازی معنیٰ سمجھانے ہوئے تو انھیں بے چاروں کے دروازوں پر گداگری کرنے لگے، یہ کیسے روا ہوگیا؟

ان دعوؤں کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی گمراہی اور کج فکری کا دروازہ کھل جائے، ائمہ لغت اور تفسیر پر صدیوں سے جو اعتماد چلا آرہا ہے وہ پارہ پارہ ہوجائے، اور قرآن کا معنی ومطلب سمجھنے میں ہر شخص کی عقل وفہم کے لئے من مانی دراندازی کا موقع مل جائے کہ نہ ائمہ لغت سے استدلال کی ضرورت ہو اور نہ مفسرین سے استشہاد کی حاجت! غور کرو جسے محمد بن جریر طبری نے نہیں سمجھا، جرجانی وزمخشری نابلد رہے، ابن تیمیہ، ابن قیّم اور ابن کثیر کو اس کی ہوا تک نہ لگی، جو بات اگلے پچھلے کسی کے خانۂ دماغ میں نہ آسکی اب اس کو سمجھنے اور اس کا راز فاش کرنے کیلئے چودہ صدیوں کے بعد مودودی صاحب نے ظہور فرمایا ہے، تاریخ اسلامی میں یہ ایک طویل ترین تاریک خلاء گذرا ہے جس میں ان چار کلمات......الٰہ، دین، رب، عبادت...... پر سیاہ پردہ پڑا رہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی ضلالت و جہالت ہوسکتی ہے کہ عرب وعجم کے اہل لغت، ائمہ حدیث وتفسیر، اربابِ بلاغت وعربیت، سب کے سب اس وقت سے لے کر آج تک ان الفاظ کی حقیقت سے ناواقف و بے بہرہ رہے، اوران پر پڑے پردے ایک ایسا شخص اٹھا رہا ہے جو ٹھیک سے عربی نہ لکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے اور سمجھنے کا حال یہ ہے کہ اردو تراجم کی رہنمائی سے کچھ چل لیتا ہے۔ اللہ، اللہ! الٰہ، رب، دین، عبادت کے معانی اگر کسی نے سمجھے تو لات وعزیٰ کے پجاریوں نے اور پوری امت مسلمہ...... باوجودیکہ علومِ نبوت کی حامل ووارث یہی امت ہے ...... اب تک طبقۃً بعد طبقۃٍ اس سے غافل وناواقف رہی، سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر عقل وفہم سے دور تم نے کوئی دعویٰ دیکھا ہے؟ ایک چیز جسے کفار عہد جاہلیت میں سمجھتے رہے، مسلمان اس سے عہد اسلام میں ناواقف ہوگئے جبکہ نبی کریم ﷺ انھیں کتاب وحکمت ہی کی تعلیم دیتے تھے، اب یا تو آپ نے خود یہ معنی نہ سمجھے ہوں یا امت کو سمجھائے نہ ہوں، (نعوذ باللہ) اوراگر بتایا تھا تو ایک مدت تک یہ علم منقطع کیسے رہ گیا، آخر یہ لمبے چوڑے دعاوی کیوں ہیں؟ بلاشبہ خواہش نفس اور قلبی مرض کا تقاضا یہی ہے کہ اس نوع کے دعوے کئے جائیں ورنہ تاویل وتحریف کی راہ ہموار کیسے ہوسکے گی؟ بے شک یہ اس تاویل وتحریف کی تمہید اور پیش لفظ ہے جس کے ذخیروں سے ان کے رسائل اور کتابیں مالا مال ہیں، چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں ان تمام امور کو عبادت قرار دیا ہے جن کے احکام شریعت میں موجود ہیں، مثلاً معاملات، عقود، عہد ومیثاق، کاروبارِ دنیا، وسائل معیشت اور زندگی کے تمام ترنظم وانتظام، یہ سب ان کے نزدیک عبادت ہیں، انھوں نے کھلے بندوں

یہ دعویٰ کیا کہ عبادت صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں منحصر نہیں ہے اور نہ ان میں نجات ہے، جب تک زندگی کے بقیہ اور تقاضے پورے نہ کئے جائیں، اور اخیر میں تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اسلام میں عبادات بھی مقصد نہیں ہیں بلکہ وہ غلبہ واقتدار کے حصول اور حکومت کی تاسیس وتعمیر کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اس کا فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ادھر حکومت حاصل ہو اور یہ ذرائع موقوف! کیونکہ ان کی غرض پوری ہو چکی، پھر ان چاروں عبادتوں کی سرے سے ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس مضمون کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مکتوب میں ملے گی۔(۱)

غور کرو! اس سے بڑھ کر ضلالت اور فکر کی کجی کہیں دیکھی، لیکن ان کی اکثر گمراہیاں ان کے مضامین ورسائل کے انبار میں اس طرح مخفی اور پوشیدہ ہیں جیسے سخت چکنے پتھر پر سیاہ چیونٹی کی آہستہ خرامی! انھیں اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ بہت کم لوگ اس کو فکر وذہن کی گرفت میں لے سکتے ہیں، اور اس میں کیا شبہ کہ یہ دور تاریک فتنوں کا دور ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو عقلمند ترین اور وسیع الظرف سمجھا جاتا ہوگا، حالانکہ اس کے دل میں ایمان رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، اور آپ کی امت خاتم الامم، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لاتزال طائفة من امتی قائمین علی الحق لایضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتیٰ یاتی أمر الله وهم علیٰ ذٰلک .

میری امت میں برابر ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، کوئی ان کی مخالفت کرے یا چھوڑ دے، انھیں کچھ ضرر نہ ہوگا تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ

---

(۱) یہ مکتوب اب ''جماعت اسلامی، ایک لمحۂ فکریہ!'' کے نام سے ملتا ہے۔

اسی حال پر ہوں گے۔ **(رواہ البخاری من حدیث معاویۃ)**

اور بیہقی کی روایت ہے:

یحمل ھٰذاالدین من کل خلف عدولہٗ۔

اس دین کے حامل اخلاف میں سے عادل وثقہ ہوتے رہیں گے۔

پھر کیا ممکن ہے کہ اسلام کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہی مخفی رہ جائیں اور جس گمراہ کا جو جی چاہے کرے۔ **کلا ثم کلا** ، ہرگز نہیں، دین محفوظ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات بھی محفوظ ہیں، تمام حقائق شرعیہ بھی اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ موجود ہیں، ان پر عمل بھی جاری ہے، علمی وعملی ہر میدان میں واضح اور روشن بھی ہیں، اس میں کسی شک وتردد کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ جب ان الفاظ کے معانی کسی نے نہیں سمجھے تو اب موصوف کو تاویل وتحریف کی کھلی چھٹی ہے، انھیں اختیار ہے کہ انحراف وتغیر کا دروازہ چار پٹ کھول دیں، انھیں یہ بھی حق ہے کہ پوری امت مسلمہ کو علماء وفقہاء، محدثین سمیت جاہل واحمق سمجھیں، **فواویلاہ**

میرے خیال میں اتنی تنبیہ ان کی بحث وتحقیق کے خطرناک عواقب وانجام سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

پھر عجیب بات یہ بھی ہے...... جو انھوں نے اخیر میں لکھی ہے...... کہ اللہ نے آپ کو فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں سرزد ہوجانے والی خامیوں پر استغفار کا حکم دیا، آخر یہاں کوتاہی اور فریضہ ادا کرنے میں تقصیر کہاں سے آگئی؟ شاید وہ یہ سمجھتے ہوں کہ استغفار کا تعلق صرف گناہ ہی سے ہے، اس لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ آپ قصوروار تھے، اور یقیناً فرض منصبی کی ادائیگی میں آپ سے کوتاہی سرزد

ہوئی تھی، **العیاذ باللّٰہ** ۔ اس غریب کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ استغفار کے اور محل بھی ہو سکتے ہیں، آپ نماز سے فارغ ہوتے تو **استغفر اللّٰہ ، استغفر اللّٰہ** فرماتے تو کیا نماز بھی کارِ گناہ ہے جس سے استغفار کیا جائے؟ قضائے حاجت سے واپس ہونے کے بعد غفرانک فرماتے تو کیا یہ بھی معصیت تھی کہ اس سے استغفار فرمایا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں اعلان کر دیا ہے:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَاتَأَخَّرَ۔

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے۔

یہ تو اللہ کی جانب سے آپ کی قدر افزائی کا عنوان اور تکمیل احسان کی ایک عمدہ تعبیر ہے، ورنہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے، انبیاء کے استغفار کا منشا کچھ اور ہی ہوتا ہے جسے بے چارے مودودی صاحب کیا سمجھتے۔ (مترجم) درحقیقت انھیں کی غایت معرفت اور اس کی عظمت وکبریائی کے شدت استحضار کے باعث جب یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا کی شان عظمت اور جلال کے موافق حمد وثنا نہیں ہو پارہی ہے، تو وہ اپنے عجز وضعف کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کرنے لگتے ہیں، یہ ہے وہ تقصیر جس سے استغفار ہوتا ہے، صحیح مسلم میں حدیث وارد ہے: **أللّٰھم لا أحصی ثناءً علیک أنت کماأثنیت علیٰ نفسک**۔ یا اللہ میں آپ کی حمد وثنا کما حقہ نہیں کر سکتا، آپ کی شان وہی ہے جو خود آپ نے بیان فرمائی ہے۔

یہاں کوئی گناہ ہے نہ معصیت، کوئی تقصیر ہے نہ زلت! فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کہاں؟ اور بارِ نبوت کے تحمل میں نقص کدھر؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اسی تاک میں رہتا ہے کہ کب اسے اپنی مجرمانہ ذہنیت ظاہر کرنے کا موقعہ ملے اور یہ اعلان کر دے کہ انبیاء سب گنہگار تھے، عاصی تھے، خطاوار تھے، عصمت ان کی دائمی صفت نہیں ہے، چنانچہ اس کا اظہار ان کے قلم سے ہو ہی جاتا

ہے اور جو اعتقاد باطل ان کے قلب ودماغ میں راسخ ہے وہ ٹپک پڑتا ہے، سچ ہے: **کل إناء یترشح بما فیه**، برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی مزید وضاحت انھیں کے بیان سے ہوگی (**انشاء اللّٰہ**)

مودودی صاحب نے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کوتاہیوں کا ذکر اپنی کتابوں میں بار بار کیا ہے، یہ کوئی لغزش قلم نہیں ہے بلکہ ان کا اعتقاد، راسخ اور خیال جازم ہے، ان کے اصول موضوعہ میں یہ بنیادی قاعدہ ہے، اس طرح کی ہفوات سے منصب نبوت مجروح ہوتا ہے، اور دین کی اَساس لڑکھڑا جاتی ہے، ان کا اعتقاد ہے کہ عام بشر کی طرح نبی بھی ایک بشر ہے جو غلطی کرتا ہے، راہ راست پر بھی رہتا ہے، مطیع بھی ہوتا ہے اور معصیت کا صدور بھی اس سے ہوتا، معصوم نہیں ہوتا، ان کی کتابیں اور مقالات پڑھنے والا انھیں بڑے انشراحِ صدر اور اطمینانِ قلب سے یہ باتیں کہتا ہوا اور لکھتا ہوا پائے گا، ان کے نزدیک نبی غیر معصوم ہے، صحابہ میں جاہلی امراض بچے کھچے رہ گئے تھے جن سے انھیں شفا حاصل نہیں ہوئی۔ یہ نظریات مان لینے کے بعد تو دین سے امان قطعی اٹھ جائے گا، پھر ہم کس سے دین حاصل کریں؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

کل یدعی وصلا جلیلی　　ولیلیٰ لا تقر بذاک

ان کی جماعت کے معروف ومسلم اہل علم مفتی محمد یوسف نیزی نے میرے ایک مضمون ...... جو ماہنامہ بینات میں شائع ہوا تھا...... کے رد میں لکھا ہے، قرآن تو اس سے بھرا پڑا ہے کہ انبیاء بھی خطا کار وگنہگار تھے، اور آپ ان کیلئے عصمت کا دعویٰ کئے جاتے ہیں۔ إنا للہ، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت کا اعتقاد یہی ہے اور اسے انھوں نے اپنے امیر سے اخذ کیا ہے۔

مودودی صاحب اور حکمت عملی

(۲) مودودی صاحب فرماتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اسلامی اصولوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن میں تبدیلی وتغیر کی گنجائش نہیں ہے، جیسے توحید ورسالت۔ دوسرے وہ جن میں مصلحت کے تقاضوں سے تبدیلی ہوسکتی ہے، پھر اس کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْط (الحجرات)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا، اور قبائل وخاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ آپس میں شناخت رہے، اور اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہو۔

فرماتے ہیں کہ افراد وقبائل کے درمیان یہ ایک منصفانہ اصول ہے، جو ہر نوع کے قبائلی اور خاندانی تعصب اور تفریق کا خاتمہ کرتا ہے، اور اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بزرگی اور افضلیت کا مدار تقویٰ پر ہے، خدا نے یہ بیان کیا اور رسول نے اس پر عمل کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بار بار اعلان فرمایا اور اس کی وضاحت کے لئے غلاموں وغیرہ کو مختلف عہدے سپرد کئے، اور یہ نظام قائم کرنے کیلئے جدوجہد فرمائی، مگر بہت جلد ایک وقت ایسا آیا...... جب آپ کو نظامِ مملکت استوار کرنا ہوا...... تو آپ نے یہ اصولِ اَساسی ترک فرمادیا، اور ہدایت فرمائی کہ

الائمة من قريش ،خلیفہ قریش ہی کا کوئی فرد ہوگا۔ (اصل مضمون ہمارے سامنے نہیں، فقط عربی کی ترجمانی پر اکتفا کیا ہے، مترجم)

یہ مضمون جناب حکیم محمد اشرف صاحب نے رسالہ ’’المنیر‘‘ شمارہ:۲۱/ جنوری ۱۹۵۸ء میں ان کی اس فکری غلطی پر طویل نقد کرتے ہوئے نقل کیا ہے، مودودی صاحب کہتے ہیں کہ عرب اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی غیر قریشی ان کا حاکم ہو، اس لئے اقامت دین کی مصلحت سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے بتلائے ہوئے اس بنیادی اصول پر عمل ترک کر دیا، اور اپنے صحابہ کو بھی اس سے منع فرما دیا۔ ترجمان القرآن میں ’’جماعت اسلامی کا موقف‘‘ کے عنوان سے یہ مضمون مفصل شائع ہوا ہے۔

بحث ونظر:

یہ خطرناک قسم کی فکری گمراہی ہے جسے کوئی تاویل صحیح محل پر نہیں اتار سکتی، نہ اس پر نقد وتبصرہ کی ضرورت ہے، اس کی قباحت روز روشن کے مانند واضح ہے جو ہر دلیل وبرہان سے قطعی بے نیاز ہے، کیونکہ اس نظریہ کے مطابق تو خواہ کوئی عبادت یا دین کا کوئی رُکن ہو، نماز، روزہ ہو یا حج وزکوۃ، ہر ایک میں نظامِ حکومت کی مصلحتوں کے تحت تغیر وتبدل ہوسکتا ہے، اس کا نام وہ حکمت عملی رکھتے ہیں۔

غور کرو! اس سے بڑھ کر کھلی گمراہی اور واضح کج فکری تم نے دیکھی؟

مودودی صاحب نے اپنے اس ایجاد کردہ اصول سے اس وقت کام لیا جب پارلیمنٹ کے انتخابات چل رہے تھے اور فاطمہ جناح، مرحوم صدر ایوب کے مقابلے میں کھڑی ہوئی تھیں، چنانچہ مودودی صاحب اپنی پوری جماعت لے کر فاطمہ جناح کی تائید وحمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی تمام تر قوت ان کو

کامیاب بنانے میں لگادی، انھوں نے بڑے کروفر سے اعلان کردیا کہ محترمہ فاطمہ جناح کے اندر حکومت کی اہلیت وصلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، جبکہ صدر ایوب اس سے قطعی کورے ہیں، اس لئے پاکستان کی صدارت کی مستحق دراصل وہی ہیں، اس پر جب علماء نے اعتراضات کئے کہ اسلامی اصول میں عورت کی قیادت وامارت کی گنجائش نہیں ہے اوران کا صدر مملکت بننا کسی طرح درست نہین ہے تو جھٹ اس اصول کی پناہ لی کہ یہ قاعدہ...... کہ عورت صدر مملکت نہیں بن سکتی ......ایسا ہے جس میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، یہ توحید ورسالت جیسا اصول نہیں ہے۔ اوراب تو اسی ''حکمت عملی'' کے اصول پر جماعت اسلامی کا تمام تر دارومدار ہے۔ (حکمت عملی اور شیعوں کے اصول تقیہ میں مماثلت پرغور کرلیا جائے، مترجم)

مودودی صاحب نے یہ اصول پوری شدت کے ساتھ شائع کیا، جرائدومجلّات میں طول طویل مقالات لکھے، جلسوں اور کانفرنسوں میں زوردار تقریریں کیں، اور ملک میں اس کا شوروغوغا مچا کر آسمان سر پر اٹھالیا، اس نظریئے میں ان کے بعض خواص اور دیرینہ رفقاء بھی ساتھ نہ دے سکے، چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کے جماعت سے استعفا دینے کا سبب یہی نظریہ بنا، حالانکہ وہ مودودی صاحب کے سایہ سے بڑھ کر رفیق وجلیس تھے، انھیں نے کوشش کرکے مودودی صاحب کو جماعت میں اس رتبۂ بلند تک پہونچایا، اوران کے بہت سے افکار ونظریات کو سجابنا کر پیش کیا۔ ان کی نصرت وحمایت میں اپنی تمام تر قوت صرف کردی، مگر وہ بھی اس قلابازی کے بعد نہ چل سکے اور یہ تلخ گھونٹ ان کے حلق سے نہ اتر سکا۔ ناچار مفارقت اختیار کی، اورکف افسوس مل کررہ گئے کہ افسوس اپنی قوت، جوانی اور مہارت وجرأت تمام تر اس گمراہ شیخ کے پیچھے ضائع کردی۔

مودودی صاحب اور عصمتِ انبیاء

(۳) مودودی صاحب لکھتے ہیں: عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کیلئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمالیا ہے، ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے ان سے علیٰحدہ ہوجائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے، اسی طرح انبیاء سے بھی ہوسکتی ہے، اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہوجانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں۔ (تفہیمات دوم، ص: ۵۷، طبع ثالث)

بحث ونظر:

کارہائے نبوت میں انبیاء کی عصمت امت کا متفقہ مسئلہ ہے، بعض اوقات عصمت کی نفی بے حد خطرناک ہے، کیونکہ وہ ''بعض اوقات'' متعین تو ہیں نہیں، پس اس لطیف نکتہ کی کثافت سے بالکل واضح اور شانِ نبوت میں حد درجہ قادح ہے۔ پھر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ فلاں کام آپ نے اس وقت کیا ہے جب آپ کی عصمت مرتفع ہوگئی تھی، اب اس کے بعد نبوت پر اطمینان کا کیا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے، علماء امت نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ کبھی اجتہاد فرماتے تھے، اگر کسی وقت اجتہاد مرضیٔ الٰہی کے مطابق نہ ہوتا تو فوراً اطلاع کردی جاتی تھی، اگر اجتہاد کے بعد وحی نہ آتی تو معلوم ہوجاتا کہ یہ اجتہاد مرضیٔ الٰہی

کے مطابق ہے، خود دیکھ لو اس میں اور مودودی صاحب کے قول میں کتنا فرق ہے۔

مودودی صاحب تو اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ انبیاء **علیہم السلام** شرارتِ نفس سے محفوظ نہ تھے، چنانچہ داؤد علیہ السلام سے غلطی ہوئی، یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی، موسیٰ علیہ السلام جلد باز تھے، آدم علیہ السلام غلبۂ حرص کی وجہ سے معصیت کی پستی میں جا پڑے، اور بھی بہت سی خرافات ہیں جو ان کی تالیفات میں جابجا بکھری پڑی ہیں۔

اس صدورِ معصیت کی علت مودودی صاحب یہ بتاتے ہیں کہ انبیاء کا بشر ہونا اور ان کا خدا نہ ہونا واضح ہو جائے، بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ ان کا کھانا، پینا، بازار میں چلنا پھرنا اور ان کا مرنا جینا، اس کیلئے کافی نہیں تھا؟ اللہ سبحانہ تو ان سب سے پاک ہے، کیا یہ بشری صفات بشریت اور عدم الوہیت کے لئے کافی دلیل نہیں ہیں؟ اور کیا اظہارِ بشریت کے لئے ضروری ہے کہ گناہ و معصیت اور لغزش و کوتاہی کا صدور ہو، اس بدفہمی کو کیا کہا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مودودی صاحب اور اقامت حکومت

مودودی صاحب خطبات ص: ۲۲۷ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ جو آپ پر فرض کی ہیں، ان کی شان دوسرے مذاہب کی عبادتوں جیسی نہیں ہے کہ جب انھیں آپ نے ادا کردیا اور ذمہ سے فراغت ہوگئی، اور اللہ راضی ہوگیا، نہیں بلکہ یہ عبادت ایک بڑے مقصد اور کارِ اہم کی تیاری ہے، پھر لکھتے لکھتے فرماتے ہیں جس کا خلاصہ وتلخیص یہ ہے کہ آدمی آدمی کی حکومت سے نکل کر اللہ کے اقتدار کے ماتحت آجائے، اور جہاد اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے پوری جدوجہد اور جان کی قربانی دینے کا نام ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ بھی اسی مقصد اصلی کی تیاری کی غرض سے ہیں۔ (ہمارے پاس خطبات موجود نہیں ہے، ہم نے مولانا بنوری کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے لفظوں میں کیا ہے، مفہوم میں انشاء اللہ کوئی تبدیلی نہ ہوگی)

بحث ونظر:

فکر کا یہ انداز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں عبادات مقصود نہیں ہیں، ان کی غرض نظامِ شرعی یعنی حکومت الٰہیہ قائم کرنا ہے، یہ عبادات محض غلبہ واقتدار حاصل کرنے کے لئے مشروع ہوئی ہیں، اسلام کا اصلی مقصد یہی نظام دنیا میں برپا کرنا ہے، یہ نظریہ درحقیقت حقائق اسلامی اور شریعت الٰہی کی یکسر تحریف وتبدیل ہے، اور صراطِ مستقیم سے بالکلیہ خروج۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت اسلامی یا نظام صالح، یہ سب کچھ شرعی فرائض وواجبات کی ادائیگی کے وسائل ہیں، غلبہ واقتدار کے حصول کے بعد انصاف قائم کرنے اور فراغت

واطمینان سے عبادت ادا کرنے کا بسہولت موقع ملے گا، پس حکومت محض اقامت دین اور ادائیگی عبادات کے لئے مطلوب ہے، عبادت ہی درحقیقت دین کا مقصد ہے، اور خلافت وحکومت اس کے حصول کا وسیلہ ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:۴۱)

وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر غلبہ دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے، اوانجام کار اللہ ہی کیلئے ہے۔

غور کرو! اللہ نے ان عبادات کو غلبہ وحکومت کا مقصود قرار دیا ہے، اب مودودی صاحب کو دیکھو، انھوں نے معاملہ کیسا برعکس کر دیا، مقصد کو وسیلہ بنا دیا اور وسیلہ کو مقصد کی کرسی پر بٹھا دیا، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حقائق شرعیہ میں تغیر وتبدل ہر نوع کی ضلالت اور گمراہی کا پیش خیمہ ہے، اچھا جب غلبہ حاصل ہو گیا اور مقصود تک پہونچ گئے تو اب وسیلہ باقی رکھنے کا کیا نفع؟ ظاہر ہے کہ حصولِ مقصد کے بعد وسائل کو باقی رکھنے کا لزوم بے معنی ہے۔

مودودی صاحب نے اپنے اس مقصد کی تائید وتقویت کے لئے بہت زور لگایا ہے، اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے، چنانچہ روداد میں لکھتے ہیں کہ: دین کا حقیقی مقصد صالح امارت کا قیام ہے، پھر تصریح کرتے ہیں کہ اس مقصد حقیقی سے غفلت وانحراف کے بعد کوئی بھی عمل رضائے خداوندی کا موجب نہیں بن سکتا، وہیں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس مقصد کا حصول اجتماعی قوت پر موقوف ہے جو شخص اس میں سستی وکوتاہی کرے وہ ایک بڑے جرم کا مرتکب ہے،

جسے نہ توحید کا اقرار مٹا سکتا ہے اور نہ نمازوں کی پابندی، اور بھی وہ اس موضوع پر مختلف اسالیب میں ”قلم کے موتی“ بکھیرتے رہتے ہیں، جس کے بعد اس بات میں ذرا بھی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کے نزدیک دین کا مقصد اصلی یہی نظامِ سیاست اور امورِ حکومت وغیرہ ہیں، اس کے بغیر نہ نماز، نہ روزہ، نہ عبادت نہ توحید، میرے علم میں اس گمراہ کن نظریہ پر سب سے پہلے جناب مولانا عبدالماجد دریابادی کو تنبہ ہوا، اور انھوں نے اپنے مشہور رسالہ ”صدق جدید“ میں اس پر گرفت کی۔

مودودی صاحب کے افکار ونظریات کے متعلق لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جماعت کے یہ بنیادی اصول بہت کافی ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے: **حبک الشیٔ یعمی ویصم** ، محبت اندھا، بہرا بنا دیتی ہے۔ سچ فرمایا اللہ نے: **فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِیْ الصُّدُوْرِ**، آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں، بلکہ سینوں کے اندر دل ہی اندھے ہو جاتے ہیں۔

مودودی صاحب عبادات کے مسئلے میں جو دین کی بنیاد واساس ہیں، سخت تفریط کے شکار ہوئے، اور اقامت حکومت کے متعلق انتہائی افراط میں جا پڑے، پھر بتاؤ کیا اسی کو تجدید دین واحیائے دین کہتے ہیں؟ یہ دین کی تجدید ہے یا انہدام؟ احیاء ہے یا اماتت؟

رحم اللہ علیٰ من أنصف ولم یتعسف

☆☆☆☆☆☆☆

مودودی صاحب اور دین ہدیٰ

(۵) مودودی صاحب اپنی سیاسی کشمکش جلد سوم، ص: ۹۳ پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

هُوَالَّذِیٓ أَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدیٰ وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔ (سورۃ الصّف)

اللہ ہی نے اپنے رسول کو ”ہدیٰ“ اور ”دین حق“ دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو برا لگے۔

”اس آیت میں الھدیٰ سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے، انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظام، سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسانی زندگی کے لئے صحیح رویہ کیا ہونا چاہئے، یہ چیز اللہ نے اپنے رسول کو بتا کر بھیجا ہے۔“

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنیٰ رکھتا ہے، جو زمانۂ حال میں اسٹیٹ کے معنی ہیں، لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کرکے اس کی اطاعت کرنا، یہ اسٹیٹ ہے، یہی دین کا مفہوم بھی ہے اور دین یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی اور اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی اور اطاعت کرے، پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے اسٹیٹ کا نظام لے کر آیا

ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لئے کوئی جگہ ہے، نہ انسان کے لئے انسان پر حاکمیت کیلئے کوئی مقام، بلکہ حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ جو کچھ بھی صرف اللہ کے لئے ہے۔

بحث ونظر:

جسے دین کی تھوڑی بہت بھی واقفیت ہوگی اسے خوب معلوم ہوگا کہ دین مجموعہ ہے مذہبی عقائد، شرعی عبادات، تکلیفی احکام اور پسندیدہ اخلاق کا، دین کا لفظ انھیں عقائد وعبادات اور اعمال واخلاق کی مختصر تعبیر ہے۔ قرآن کریم میں اسی کی تصریح اللہ نے اور احادیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے کی ہے۔ آیت **إن الدین عند اللہ الاسلام** اور **رضیت لکم الاسلام دیناً** میں اسی کی جانب اشارہ ہے، پس دین اسلام جامع ہے، تمام عقائد، عبادات، احکام، اخلاق شخصی واجتماعی اور ملکی مسائل ومعاملات کا جن امور کا تعلق ملکی یا اجتماعی یا بین الاقوامی مسائل سے ہوگا وہ شرعی سیاست کے تحت آئیں گے، اس لحاظ سے یہ دین کے اجزاء ہیں نہ کل دین۔ دین کی تفسیر حکومت، سلطنت اور اسٹیٹ سے کرنی بدترین قسم کی بدعت وضلالت، طریق حق اور صراطِ مستقیم سے خروج وانحراف ہے جس سے نہ دین راضی ہے نہ اربابِ دین۔

پیشتر ہم لکھ چکے ہیں کہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ الٰہ، رب، دین اور عبادت کا مفہوم عرصہ تک سمجھا ہی نہیں گیا، یہ درحقیقت انھیں تحریفات...... جو کہ دینی روح سے بہت دور ہیں...... کی تمہید اور مقدمہ ہے، اور لطف یہ ہے کہ انھیں اپنی ان خرافات پر فخر وناز بھی ہے: وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً۔

اب تمہیں بتاؤ! نئی نسل کے سامنے یہی کتابیں اور تحریریں ہوں گی تو وہ

دین کو کیا سمجھے گی ؟ اس طرح کی چیزیں تو اسے عبادات وطاعات سے منحرف کر کے محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے قیام پر برانگیختہ کر دے گی ، البتہ عام لوگ حکومت صالحہ کے مقدس لبادہ کی وجہ سے شاید فریب کھا جائیں، انصاف کرو! حرام ومنکر سے اجتناب اور تقویٰ کے بغیر صلاح کیسی؟ پھر ان بھاری بھرکم الفاظ ''اقامت دین'' ''تجدید دین'' ''اصلاحِ امت'' اور ''اقامت معروف وترک منکر'' وغیرہ کا کیا فائدہ؟ کچھ نہیں محض الفاظ وعبارات ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں، ان چیزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص زبردست سیاسی آدمی ہے جس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ زمامِ حکومت اس کے ہاتھوں میں آجائے ، لیکن پاکستان جیسے ملک میں جہاں کے عام باشندے ......ابھی خیر سے...... دینی جذبات میں پختہ اور متصلب ہیں، قیادت کی بنیادیں بغیر دینی ستونوں کے مضبوط نہیں ہوسکتیں، فرض کیجئے ان کی نیت بخیر ہے، ان کی تمام تر کوشش اصلاح ہی ہے اور وہ اپنے ارادہ میں مخلص ہیں، تاہم چونکہ اربابِ تقویٰ ودیانت اور اصحاب علم وفضل سے استفادہ نہیں کیا ہے، اور علوم نبوت کی باقاعدہ تحصیل وتکمیل سے محروم ہیں، اس لئے کج فکری اور گمراہی کی تاریک وادیوں میں بھٹک گئے ، پھر نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے کہ ان کی تحریک اور اصولوں پر پَروان چڑھی ہوئی ان کی جماعت اِلحاد وزندقہ کا دروازہ بن گئی ، ممکن ہے مودودی صاحب ان ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ جائیں لیکن ان کے مقلد وپیرو جوان کی کتابوں اور مضامین کے دلدادہ ہیں ، ناممکن ہے کہ ان مفاسد سے بچ جائیں ، کیونکہ انھوں نے راستہ ہی ایسا بنایا ہے جو گمراہی پر تمام ہوتا ہے اور جہنم تک لے جاتا ہے، **العیاذ باللّٰہ**

☆☆☆☆☆☆☆

حرم محترم کے باشندے اور مودودی صاحب

مودودی صاحب ترجمان القرآن ج: ۲۸، ص: ۱۷۳، مطبوعہ ۱۳۶۵ھ میں لکھتے ہیں کہ:

”وہ سرزمین جہاں سے اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اسی جاہلیت کے قریب پہونچ گئی ہے جس میں اسلام سے پہلے مبتلا تھی، اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی۔ لوگ دور دور سے بڑی عقیدتیں لئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقہ میں پہونچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے، تو ان کی توقع کا سارا طلسم پاش پاش ہوکر رہ جاتا ہے، حتیٰ کہ بہت لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور الٹا کچھ کھوکر آتے ہیں، (۱) وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہوگئی تھی، اور جسے رسول اللہ ﷺ نے آکر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہوگئی ہے، حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں، خدا کا گھر ان کے لئے جائداد بن گیا ہے۔“

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

---

(۱) یہاں تک عبارت مصنف نے ترجمان القرآن سے لی ہے، اس کے بعد اخیر تک خطبات سے ماخوذ ہے، مولانا نے حوالہ ص: ۳۲۳، ایڈیشن ۱۹۶۲ء کا دیا ہے، ہمارے پاس وہ ایڈیشن نہیں ہے، ہمارے سامنے مکتبہ اسلامی دہلی کا شائع کردہ ۱۹۷۷ء کا ایڈیشن ہے، ہم نے وہیں سے نقل کیا ہے، ترجمان القرآن والی عبارت بعینہٖ اسی ترتیب کے ساتھ خطبات میں موجود ہے، خطبات حصہ پنجم، ص: ۵۹، ۶۰۔

معلم، مطوف، کلید بردار اور خود حکومت حجاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ اب کعبہ اور فریضۂ حج کا حال بعینہٖ وہی ہو گیا ہے جو ہندوستان میں ہری دوار وغیرہ میں ہندوؤں کے مذہبی تہواروں اور میلوں کا ہے، وغیر ذٰلک من خرافات۔(۱)

بحث ونظر:

یہ عبارت بالکل واضح اور دوٹوک ہے، اس پر کسی نقد وتبصرہ کی ضرورت نہیں ہے، یہ باتیں ان کے قلبی بغض وعناد اور جذبۂ تحقیر وتذلیل کی مظہر ہیں، جو

---

(۱) خطبات کا جو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے اس میں خط کشیدہ پوری عبارت موجود نہیں، ہمیں شبہ ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن خدا بھلا کرے خطبات کے ہندوستانی ناشروں کا، انھوں نے ہمارا تردد دور کردیا، وہ خطبات حصہ اول مطبوعہ اگست ۱۹۷۸ء کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ: یہ خطبے جس ماحول اور جس وقت میں دیئے گئے تھے ہندوستان کی حد تک ان کے زمین وآسمان بدل چکے ہیں، اس لئے آج کل کے حالات سے انھیں ہم آہنگ بنانے کے لئے ضروری ہوا کہ ان میں بعض لفظی اور جزوی ترمیمیں کردی جائیں تاکہ ان کی افادیت حالاتِ زمانہ سے متاثر نہ ہونے پائے، اس ترمیم کے لئے اصولاً صاحب تصنیف کی اجازت ضروری تھی، سو وہ حاصل کرلی گئی، اور اب یہ خطبات بعض محض لفظی ترمیموں کے ساتھ شائع کئے جارہے ہیں'' اسے پڑھ کر ہمارا اخلجان رفع ہوگیا۔ پاکستانی مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں وہ عبارت یقیناً ہوگی، مگر ہندوستانی ناشرین نے اس غرض سے کہ ''ان کی افادیت حالاتِ زمانہ سے متاثر نہ ہونے پائے'' اس کا وجود مضر سمجھا ہوگا اس لئے حذف کردی گئی۔ اب یہ تو جماعت اسلامی کے عالی دماغ مفکرین ہی سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ عبارت ۱۹۳۸ء میں جب یہ خطبے دیئے گئے تھے، ہندوستان کی زمین وآسمان سے کیسے ہم آہنگ تھے اور اس میں کیا بے آہنگی آگئی ہے، بہرکیف چونکہ وہ ایڈیشن ہمارے سامنے نہیں ہے، اس لئے ہم مولانا کی عربی عبارت کا بعینہٖ ترجمہ نقل کردیتے ہیں تاکہ کسی اللہ کے بندے یا جماعت اسلامی کے کسی محقق کے پاس وہ نسخہ ہو تو دیکھ لیں کہ ترجمہ غلط ہوا ہے یا صحیح؟ **فأصبحت الكعبة والفريضة الخ مثل مايقوم به المومنون۔**

ان مقاماتِ مقدسہ اور وہاں کے باشندوں نیز حرم محترم کے کارپردازوں کی طرف سے ان کے سینے میں پوشیدہ ہیں، ان کے خیال میں وہاں اسلامی صفات علم واخلاق اور حیاومروت کا نام ونشان نہیں ہے، ان کا یہ فیصلہ اب بھی برقرار ہے جبکہ سعودی عرب بیس سال سے ایک ایسے جلیل اور متبع سنت (١) حکمراں کے زیر فرمان ہے جو اہل علم کا بیحد قدرداں اور مشائخ کے ساتھ محبت واجلال کا معاملہ کرنے والا ہے، جس نے ان علاقوں میں خیر وسعادت کی بنیادیں مستحکم کردی ہیں، اگرچہ ان کے مشن کو مادی وسائل کی بہتات سے کچھ نقصان بھی پہونچتا ہے تاہم اب بھی اور ممالک کی نسبت شر وفتن اور فساد وتخریب سے بڑی حد تک محفوظ ہے، بلاشبہ ہمارے یہ مقدس مقامات اسلامی نظام کی برکت سے مامون ومطمئن علاقے شمار کئے جاتے ہیں، مگر مودودی صاحب کے نزدیک معلم اوران کے ایجنٹ، ایسے ہی اربابِ انتظام اور خود سعودی حکومت فریضۂ حج کو تجارتی ومادی اغراض کے لئے وسیلہ بنائے ہوئے ہے، ان کے نزدیک اس جاہلیت کی یاد پھر تازہ ہوگئی ہے جس کا خاتمہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

---

(١) مراد شاہ فیصل شہید علیہ الرحمہ ہیں جو کتاب کی تصنیف کے وقت باحیات تھے۔

ظہورِ دجال اور مودودی صاحب

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ دجال آپ کے عہد میں خروج کرے گا، یا اس کے قریبی مدت میں نکلے گا، لیکن اس خیال پر ساڑھے تیرہ سو برس کا عرصہ گذر گیا اور دجال ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا گمان صحیح نہ تھا، (رسائل ومسائل، اول، ص: ۵۷، ایڈیشن ۱۳۵۱ھ) پھر دوسرے ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں یہ اضافہ کیا کہ آپ کا گمان قبل از وقت تھا، پھر تیسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۳۶۲ھ میں مزید یہ لکھا کہ ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت گذر گئی اور دجال ظاہر نہیں ہوا، پس یہی حقیقت ہے، نیز ص: ۵۵ پر ہے کہ: دجال کے بارے میں جو روایات آپ سے منقول ہیں وہ سب آپ کا قیاس اور رائے ہے، آپ اس کے متعلق تردد میں تھے، کبھی آپ نے فرمایا کہ خراسان سے نکلے گا، کبھی یہ کہ اصفہان سے ظاہر ہوگا، اور کبھی یہ خیال ہوا کہ شام وعراق کے درمیان کسی مقام سے خروج کرے گا، پھر کبھی یہ گمان کیا کہ ممکن ہے مدینہ کا ابن صیّاد ہی ہو، جس کے بارے میں تمیم داری کی روایت ہے۔ (یعنی صحیح مسلم میں)

بحث ونظر:

اس میں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔

(۱) اس مضمون سے صراحۃً خروجِ دجال کا انکار ثابت ہوتا ہے، حالانکہ دجال کا ظہور ایک حقیقت ثابتہ ہے اور احادیث متواترہ اس پر دال ہیں۔

(۲) اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گمان دجال کے متعلق صحیح نہ تھا کیونکہ اب تک کی دراز مدت نے اسے غلط ثابت کردیا ہے۔

(۳) مسیح دجال کے خروج کا ایک قطعی عقیدہ ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام کے نزول کا، بلکہ یہ تو ایسا قطعی ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں متوارث اور منقول ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری شریف میں متعدد جگہ منقول ہے، اس میں ہے کہ:

فحمد اللہ وأثنیٰ علیہ ثم ذکر مسیح الدجال فأطنب فی ذکرہ وقال: مابعث اللہ من نبی إلا وأنذر أمتہ، أنذرہ نوحؑ والنبیون من بعدہ وأنہ یخرج فیکم فما خفی علیکم من شانہٖ فلیس یخفیٰ علیکم ان ربکم لیس بأعور أنہ أعور العین الیمنیٰ، کان عینہ طافیۃ الخ

اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد آپ کچھ دیر مسیح دجال کا ذکر فرماتے رہے، ارشاد فرمایا: اللہ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا اس نے اپنی امت کو اس سے ضرور ڈرایا، نوح علیہ السلام اور اس کے بعد سبھی انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو اس سے ہوشیار کیا، اور یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارے درمیان ظاہر ہوگا تو اگر تمہیں اس کے حال میں کچھ اشتباہ ہو تو کم سے کم اس میں تو کوئی اشتباہ نہیں کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے، اور وہ اپنی داہنی آنکھ سے کانا ہوگا، وہ ایسی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور۔

ایک طرف یہ حیرت انگیز تواتر دیکھو جو ہر دین میں اور ہر نبی کی زبان سے منقول ومتوارث چلا آرہا ہے، اور ایسا قطعی واجماعی عقیدہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں سے ثابت کہ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو اس سے ہوشیار کیا، پھر حضرت خاتم النبیین علیہ السلام آخر حیات تک نماز کے آخر میں ’’فتنۃ المسیح

الدجال ‘‘ سے پناہ مانگتے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم فرمایا، پھر منجملہ علاماتِ قیامت کے اس کا ظہور تواتر سے ثابت ہے، آخر اس سے بڑھ کر بھی اِذعان ویقین کا کوئی اور مرتبہ ہے؟ اب دوسری جانب مودودی صاحب کو دیکھو کہ وہ کس دیدہ دلیری کے ساتھ ان حقائق کے موجود ہوتے ہوئے یہ کہہ کر چل دیئے کہ آپ کو دجال کے متعلق تردد تھا، اور واقعہ نے ثابت کردیا کہ آپ کا خیال صحیح نہ تھا۔

(۴) دجال کا ظہور علاماتِ قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے ذیل میں آتا ہے، جس طرح قیامت کا آنا قطعی اور یقینی ہے اسی طرح یہ عقیدہ بھی تواتر کے باعث بالکل قطعی اور یقینی ہوگیا ہے، پھر دعویٰ کہ اتنی طویل مدت گذر گئی اور ابھی تک دجال کا کچھ پتہ نہ چلا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قربِ قیامت کی خبریں جو نصوص میں وارد ہین تاریخ انھیں جھٹلا چکی، کیونکہ ایک عرصہ گذر گیا اور قیامت ابھی تک نہیں آئی، اس دعویٰ اور اس قول میں کیا فرق ہے؟ **كبرت كلمة تخرج من أفواههم۔**

(۵) ہاں روایات میں جو کچھ اختلاف ہے وہ اس کے محل ظہور کے متعلق ہے، تاہم یہ اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، روایات میں قدر مشترک ’’دجال کا ظہور‘‘ خواہ خراسان سے ہو یا اصفہان سے...... فی الحقیقت یہ دونوں ایک مقام ہیں...... پھر مختلف علاقوں میں اس کے دوسرے ہوں گے، اس لحاظ سے شام، عراق یا ان کے درمیانی علاقہ میں اس کا ظہور آپس میں متعارض نہیں ہیں، ایسی چیزوں میں وہی شک وتردد کرسکتا ہے جسے فن حدیث اور اس کے اسالیب کی تھوڑی سی بھی بصیرت حاصل نہ ہو۔

سعودی حکومت اور مودودی صاحب

مودودی صاحب اپنی کتاب ”تجدید واحیائے دین“ ص: ۲ پر رقم طراز ہیں:

”روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص امتیازات کے ساتھ ہوتا ہے، شاہی خاندان اور مذہبی طبقہ مل کر ایک ملی بھگت قائم کرتے ہیں، خاندانوں کے اور طبقوں پر طبقوں کے تفوق کا ایک مستقل نظریہ وضع کیا جاتا ہے۔“

سعودی حکومت کے متعلق مودودی صاحب کا یہ کلام شرح وبیان سے بے نیاز ہے، وہ بہت واضح انداز میں اس نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ حکومت وامارت کی تشکیل کا یہ طریقہ غلط ہے، حالانکہ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ حکومت اسلامی کا استحکام، علماء دین اور اربابِ سیاست کے باہمی ربط ہی میں ہے، دینی اقتدار علماء دین کو حاصل ہو، مذہبی احکام میں اُسوہ وقائد وہی ہوں اور نظم مملکت ان سے متعلق ہو جو اس کی قابلیت رکھتے ہوں، اور یہ تو شاذ ونادر ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد میں دونوں صلاحیتیں بیک وقت موجود ہوں، ظاہر ہے کہ دونوں صلاحیتیں جب کسی میں اکٹھا نہیں ہیں تو آخر اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کاربند ہوا جائے، جس میں جو صلاحیت ہو اس کے مناسب کام سپرد کیا جائے اور نا اہل کو کوئی منصب ہرگز نہ دیا جائے۔

حکومت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک شہر جہاں ہر نوع کے صنعت گروں اور اہل حرفہ کی ضرورت ہوتی ہے، آہن گر، خیاط اور نجار بھی ضروری ہیں تو ایسے ہی انجینیر اور معمار بھی ناگزیر! ہر شخص اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق کاموں کا بار اٹھاتا ہے، پس کبھی کسی حکومت میں سیاسی عہدوں اور دینی مناصب

کا بھی یہی حال سمجھ لو، اور خلافت راشدہ تو مخصوص عبقری اشخاص وافراد کا (کمالات کی جامعیت میں) ایک نادر نمونہ ہے، تاہم اس کے باوجود اس عہد میں ذوق وطبیعت اور رجحان کا اختلاف موجود تھا، کسی میں سپہ سالاری اور امارت افواج کی صلاحیت تھی، تو کوئی دعوت وارشاد کا اہل تھا۔ فطری بات ہے کہ کام اس کے اہل کے سپرد کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق نظم حکومت سے ہو یا احکام مذہب سے، البتہ یہ ضروری ہے کہ باہم تعاون وتوافق کی راہیں کھلی ہوں، انتشار وتخریب اور پارٹی بندی نہ ہو مگر افسوس ہے کہ مودودی صاحب احیاء تجدید دین کرنے اٹھے تو تفریط کی تنگ گھاٹی میں پہونچ گئے، انھیں سوائے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے دورِ خلافت کے کوئی اور عہد نظر ہی نہیں آتا، اور حضرت عثمان ﷛ کا عہد خلافت تو خاص طور سے تنقید کا نشانہ ہے، اس کے متعلق ان کا قلم ایسے زہر اگلتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین اور جگر شق ہونے لگتا ہے، اپنی کتاب ”خلافت وملوکیت“ میں سیّدنا حضرت عثمان ﷛ کی ذاتِ گرامی پر شدید حملے کرکے ان پر مظالم ڈھائے ہیں، یہاں مودودی صاحب ایک رافضی کا روپ دھار کر آتے ہیں جس کا مقصد ہی مذہب اسلام اور خلیفۂ راشد سے انتقام لینا ہے، اس مسئلہ میں ان کے پیشرو سیّد قطب ہیں انھوں نے بھی اپنی کتاب ”العدالة الاجتماعية“ میں حضرت عثمان ﷛ پر تنقیدیں کی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷛ اجلہ صحابہ کو برطرف کرکے رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو عہدوں پر فائز کرتے تھے اور انھوں نے ابوذر ﷛ جیسے صحابی کو شہر بدر کردیا، محض اس جرم پر کہ وہ مال جمع کرنے پر نکیر کرتے تھے، ایک شخص نے لکھا ہے کہ مروان نے انھیں کھلونا بنا رکھا تھا کہ کبر سنی اور شرفِ صحابیت کے باوجود جس طرف چاہتا تھا کھینچے کھینچے پھرتا تھا، اور

لکھتے ہیں کہ خلافت انھیں بعد میں حاصل ہوئی اس لئے اموی عصبیت ان کے آس پاس منڈلا رہی تھی، اور بھی خرافات ہیں کہاں تک کوئی ذکر کرے، جنھیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص ''شیعیت'' اور ''شیوعیت'' (کمیونزم) کا مشترکہ ایڈیشن ہے، ملاحظہ ہو ''**العدالة الاجتماعية**'' ص: ۲۱۳، طبع سادس۔

مودودی صاحب نے بھی انھیں کی تقلید کی، بلکہ ان کے کلام کی شرح کردی اور تاریخ کے انبار سے تمام رطب ویابس روایات اٹھالائے، پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے امام سے بھی دو قدم آگے نکل گئے، سیّد قطب تو ایک حد تک حضرت عمر بن عبد العزیز کے قائل ہیں، مگر یہ بزرگ تو ان پر بھی نقد سے نہیں چوکے اور انھیں بھی ناکام ونامراد بنا کر ہی چھوڑا، فإنا لله وإنا إليه راجعون

خلافت وملوکیت کے رد میں علماء نے بہتر سے بہتر کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں عمدہ ترین کتاب مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی کی تالیف ''خلافت وملوکیت کی حقیقت'' ہے، مجھے حیرت ہے کہ لوگ اس شخص کے دعوؤں سے فریب کیسے کھا سکتے ہیں؟ فقط دعوے ہی دعوے ہیں، ان کی پشت پر سوائے قیادت کے بے پناہ جذبہ اور لیڈری کی نہ ختم ہونے والی خواہش کے اور کوئی حقیقت نہیں، لوگ ان کی کتابوں کو بغور نہیں دیکھتے اور نہ ان کے خطرناک عواقب وانجام کو محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو سلامت فکر کی توفیق بخشے اور گمراہی والحاد سے محفوظ رکھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی خلافت راشدہ کا تصور اس سیاہ دور میں محض جنون اور مخبوط الحواسی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی حکومت ٹھیک ٹھیک اس منہاج پر نہ ہو تو وہ جاہلی حکومت ہے، خدارا تمہیں انصاف کرو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے کثیر المناقب صحابی کی خلافت مودودی صاحب اور

سیّد قطب کے نزدیک علیٰ منہاج النبوۃ قائم نہ رہ سکی اور نہ وہ حضرت عمرؓ کے طرز پر قائم رہ سکے، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی صالح نظام برپا کرنے میں ناکام ہوگئے اور تجدید کامل کے منصب تک نہ پہونچ سکے، ان کے بعد بھی جتنے بزرگوں کو مجدد سمجھا گیا اور کہا گیا کوئی بھی تجدید کی تکمیل نہ کرسکا اور مجدد کامل کی کرسی آج تک خالی پڑی ہے، ہاں ابن تیمیہ نے اس طرف توجہ کی، تاہم واقعہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی سیاسی تحریک اٹھا نہ سکے جس سے نظامِ حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضے سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آجاتیں۔

اب صدیوں کے بعد مودودی صاحب تشریف لائے ہیں جنھوں نے یہ خلا پُر کیا، حیرت ہے جو نظام خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قائم نہ کرسکے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے لیکر ابن تیمیہ تک سب اس میں ناکام رہے اب اس ظلماتی عہد میں ایسی حکومت عادلہ اور خلافت راشدہ کا خواب کیسے دیکھا جارہا ہے کہ اس معیار سے جو اترے اسے ہدفِ ملامت اور موردِ تنقید بنالیا جائے، قطعی حماقت بلکہ جنون ہے۔

ہماری نظر میں سعودی حکومت ممالک عرب بلکہ اسلامی دنیا میں ایک بہترین حکومت ہے، وہاں دینی نظام علماء دین سے متعلق ہے اور اس کا تمام انحصار علماء ومشائخ کے مشوروں پر ہے، جس دن اس کا یہ امتیاز ختم ہوجائے گا اسی دن اس کی خصوصیت فنا ہوجائے گی، افسوس جو چیز حکومت کا جمال وکمال ہے اسی کو یہ شخص باعث ننگ وعار سمجھتا ہے۔ **فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ**، آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں، بلکہ سینوں کے اندر دل ہی اندھے ہوجاتے ہیں۔

ان مختصر اشارات میں ایک صاحب بصیرت کیلئے بہت کچھ کہہ دیا گیا۔

واللہ یھدی من یشاء إلیٰ صراط مستقیم۔

طلقاء صحابہ اور مودودی صاحب

(۶) مودودی صاحب ترجمان القرآن، ص: ۳۵، ۳۶، ۱۹۶۵، ۱۹۴۹ء میں لکھتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ:

”حضرت عثمان ؓ نے طلقاء صحابہ کو حکومت وامارت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا، یہ فتح مکہ کے بعد داخل اسلام ہوئے تھے، یہ حضرات اگرچہ انتظامی اموراور غیر دینی سیاست میں ماہر تھے تاہم خلافت کے عہدوں کے اہل نہ تھے، کیونکہ اس قیادت میں جس درجہ اخلاص کی ضرورت ہے وہ ان میں نہ تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی طویل صحبت نہیں پائی تھی اوران کے نفوس کا کامل تزکیہ نہ ہوسکا تھا جس کے باعث جاہلی اثرات ان میں باقی رہ گئے تھے، یہ بات انھوں نے ”خلافت وملوکیت“ اور دوسری کتابوں میں بار بار دہرائی ہے۔ ترجمان القرآن میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے، حد تو یہ ہے کہ تفسیر کے نام سے جو کتاب تفہیم القرآن لکھی ہے، اس میں بھی غزوۂ احد کی تفصیل لکھتے ہوئے مہاجرین اولین اور انصار کو نقد وتبصرہ کی زد میں لے لیا ہے۔

بحث ونظر:

”طلقاء“ سے مودودی صاحب ان صحابہ کو تعبیر کرتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، سعید بن عاص، عبداللہ بن عامر ؓ وغیرہ صحابہ کو اسی ذیل میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ حضرت معاویہ اپنے باپ سے چھپ کر صلح حدیبیہ کے زمانے

میں ہی مسلمان ہو چکے تھے، ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ یہ صحابہ کس درجہ کثیر المناقب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اکثر حضرات کو کن کن مناصب جلیلہ پر فائز کیا تھا، اسلامی فتوحات میں ان کے کارنامے کتنے عظیم الشان رہے ہیں اور یہ کہ ان کا اسلام کس درجہ بہتر ہو گیا تھا اور یہ حضرات زمرۂ مخلصین میں شمار ہوتے تھے، یہ سب نظر انداز کر دیجئے صرف یہ دیکھئے کہ انھیں حضور ﷺ کی مبارک زندگی میں ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی مبارک صحبت کا اعزاز ملا، طائف وحنین وغیرہ میں رہ کر آپ کے ساتھ جہاد کیا اور آپ نے بنفس نفیس انھیں مختلف خدمتوں پر سرفراز فرمایا، کیا ان سب کے بعد ان حضرات کے تقدس اور دینی واخلاقی کمالات میں ہلکے سے ہلکا شبہ بھی باقی رہ سکتا ہے، لیکن مودودی صاحب حضرت عثمان غنی ؓ پر بے محابا تنقید کرتے ہیں کہ انھوں نے ان طلقاء صحابہ کو بڑے بڑے عہدے سونپے جبکہ وہ دین وتقویٰ کے لحاظ سے اس کے اہل نہ تھے، اگرچہ غیر دینی سیاست میں مہارت کی وجہ سے امورِ سلطنت سے عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ غور کرو! مودودی صاحب کس بے تکلفی کے ساتھ دورِ خلافت راشدہ میں دین وسیاست کی تفریق کر رہے ہین، بلاشبہ مودودی صاحب نے ان خرافات سے اللہ ورسول کو ایذا پہونچائی ہے، ان کی نگاہ ان فضائل ومناقب پر بالکل نہیں گئی جن سے قرآنی آیات اور حدیثی ارشادات بھرے پڑے ہیں، انھوں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے؟

الله الله فی أصحابی لاتتخذوهم من بعدی غرضاً فمن أحبهم فبحبی أحبهم ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم ۔

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنالینا، جو شخص ان سے محبت رکھے گا اس کا تعلق میری محبت کا سبب ہوگا اور جو ان سے بغض رکھے اس کی عداوت میرے بغض کا باعث ہوگی۔

اس کے علاوہ بھی کتب حدیث کا ذخیرہ حضراتِ صحابہ کی فضیلت ومنقبت سے لبریز ہے، اور خود قرآن عزیز میں جتنا کچھ ہے وہی کافی وشافی ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

☆☆☆☆☆☆☆

دستورِ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب

۱۔ دستورِ جماعت اسلامی...... یعنی وہ بنیادی اصول وضابطے جن پر جماعت اسلامی کا مدار ہے...... میں کہا گیا ہے۔

رسول کے علاوہ کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے (یعنی ان کے علاوہ کسی سے حق کا عرفان نہیں ہوسکتا) کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔

بظاہر یہ اصول بے غبار محسوس ہوتا ہے، لیکن جب ہم بغور اس کا جائزہ لیتے ہیں، تحلیل وتجزیہ کرتے ہیں اور ان کے قلم سے نکلے ہوئے انکار ومباحث پر اسے منطبق کرتے ہیں، نیز فکری ونظریاتی راہوں سے اس کے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں ان پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ بنیادی اصول کس قدر خطرناک اور بدعت والحاد کا کتنا بڑا سرچشمہ ہے۔ امت محمدیہ اپنے دورِ اول سے یہ جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اتباع وتقلید کی ہدایت کی ہے، اپنی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر چلنے بلکہ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا ہے، ان پر نقد وتبصرہ کرنے اور انھیں ہدفِ ملامت بنانے اور ان کا ردو انکار کرنے سے تحذیر کی ہے، اور بھی بہت کچھ ان کے مناقب ومفاخر اور ان کی پیروی کے باب میں احکام منقول ہیں، معلوم ہے کہ صحابہ سے بڑھ کر امت میں صالح قلب اور گہرے علم کے حامل نہیں پیدا ہوئے، لیکن مودودی صاحب

نے صرف حضراتِ صحابہ ہی پر تنقید کافی نہیں سمجھی بلکہ ان کے کلام کا دائرہ مزید وسعت اختیار کرتا ہوا انبیاء سابقین تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، حالانکہ ہمیں تو ان پر ایمان رکھنے کا حکم ہے، انبیاء قطعی معصوم ہیں ان پر زبان تنقید دراز کرنی کسی طرح روا نہیں ہے، ہم مودودی صاحب کو دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے دامن عصمت سے بھی کھیلنے سے باز نہیں آتے۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت یونس علیہم السلام میں سے کون اس تنقیدی پنجہ وناخن سے بچا ہے، پھر یہیں تک بس نہیں ہے انھوں نے بالآخر حضور ﷺ پر غلطی ولغزش کی تہمت رکھ دی کہ آپ کی رائے تو اتنی صدیوں کی تاریخ جھٹلا چکی اور ہر نبی کے لئے ضروری ہے کہ غلطی میں پڑے، بلکہ معصیت کا مرتکب ہو، وغیر ذٰلک من الخرافات

پھر جب اصحاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسا مقدس بزرگ ان کی تیزئ قلم سے نہ بچ سکا، باقی صحابہ پر بھی انھوں نے حب دنیا، حرص وطمع اور بخل وحسد کے الزامات قائم کرکے ان کی آبرو کا خون کیا تو بیچارے تابعین اور سلف صالحین کو کون پوچھے؟ اب خود سمجھ لو کہ دستورِ اساسی کا یہ بنیادی اصول خطرے کی کس ڈگری میں ہے

رسول اللہ ﷺ کے یہ اصحاب آپ کے دین کے حامل اور طبقۃً بعد طبقۃٍ اس کو پہونچانے والے ہیں اور دین کے امین ہیں، اپنے نبی کی صحبت کے واسطے اللہ نے انھیں منتخب فرمایا تھا، اگر انھیں کو مجروح کردیا جائے، نقد وتبصرہ کا نشانہ بنایا جائے، انھیں کے دامن آبرو کے ساتھ کھیلا جائے اور ان کے سب وشتم میں زبان ملوث کی جائے تو خدارا تمہیں بتاؤ کہ ہم اس دین پر کیسے اطمینان کرلیں جبکہ اس کے حامل یہی لوگ ہیں، پھر یہ دین ہم کس سے حاصل کریں، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی

تکذیب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (سورۃ الفتح: ۲۹) (وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں، ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار نمایاں ہیں) اور فرماتے ہیں: أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، اور ارشاد ہے: أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً، اور رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، وغیرہ

میں پوچھتا ہوں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو مودودی صاحب زیادہ جانتے ہیں یا اللہ سبحانہ تعالیٰ جو لطیف وخبیر ہے، اور کیا صحابہ کے احوال سے مودودی صاحب زیادہ واقف ہیں یا رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق زیادہ باخبر ہیں، پھر اگر صحابہ ہی معیارِ حق نہ ہوں گے تو کون ہوگا؟

خلاصہ یہ کہ دستور کے یہ کلمات نقد وتبصرہ کا دائرہ اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ پھر کسی کی آبرو بچ نہیں سکتی، اس کی زد میں انبیاء اور صحابۂ کرام سبھی آتے ہیں، تفہیم القرآن، تنقیحات، تفہیمات اور ان کی دوسری تالیف نیز ترجمان القرآن، مقالات ومضامین میں نقد وتبصرہ اور تنقید وتحقیر کا عنصر ہر جگہ محسوس ہوتا ہے، البتہ بیشتر اوقات بہت خفیہ طریقے سے ان چیزوں کی آمیزش کرتے ہیں، کہیں کہیں تو اس زہر پر شہد وشکر کا ایسا خول چڑھاتے ہیں کہ ہر شخص بآسانی حلق سے اتار لے اور اسے تلخی محسوس نہ ہو، یہ دستورِ اساسی ان کے قلوب کے رازِ سربستہ کا آئینہ دار اور ان کی تحریک کی نقاب کشائی کرنے والا ہے، اسی بنیاد پر وہ اپنی عمارت کھڑی کرتے ہیں، اگرچہ مواخذہ وانتقاد کے بعد اس میں بہت کچھ تبدیلی کی گئی اور پے در پے تغیرات ہوئے ہیں تاہم اب بھی اس صورت میں ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفوس کی علمی وعملی تربیت واصلاح اور تعلیم وارشاد ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے، آپ کی تربیت سے بہرہ ور ہوکر یہ حضرات رُشد وہدایت کے روشن مینار اور زمین کے جگمگاتے تارے بنے، جن کی نورانیت آسمان کے تاروں سے فزوں تر تھی، خود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر تعریف وتوصیف کی کہ آپ دعوت وتبلیغ میں کامیاب ہوئے، آپ نے حجت قائم کردی، راستہ واضح کردیا، امانت ادا کردی، حق رسالت ادا کردیا، اس طرح اللہ نے اس دین کی تکمیل فرمائی اور امت پر احسان مکمل کردیا، جب یہی حضرات تنقید ومواخذہ کی زَد میں آئیں گے اور انھیں میں جاہلیت کے اثرات باقی رہ جائیں اور نقص وتقصیر کی تہمت ان پر رکھی جائے گی تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کی، العیاذ باللہ، اور نبوت کا حق کما حقہ ادا نہیں کیا، جبکہ آپ افضل الانبیاء والرسل ہیں، پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سے......نعوذ باللہ...... اختیار وانتخاب میں کوتاہی ہوئی، منصب نبوت اس کے اہل کو نہ ملا، پس اللہ بھی قصوروار اور رسول بھی قصوروار، اس کے بعد صحابہ کس شمار وقطار میں ہیں۔ غور کرو اس کی قباحت وشناعت کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوتا ہے، یہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ...... باستثناء تین یا پانچ یا سات......سب مرتد ہوگئے، پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ صحابہ کی منقبت، ان سے اللہ کی خوشنودی اور ان کے بلند درجات کا ذکر تو قرآن میں صراحۃً موجود ہے، تو نہایت بے حیائی اور ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت اللہ کو یہ بات معلوم نہ تھی، اس لئے انھیں یہودیوں کے ''بدأ'' جیسا مہمل عقیدہ گڑھنا پڑا۔

اس انجام کے بعد کوئی بتائے کہ اس دستور سے اسلام کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ باقی رہ سکتا ہے، پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ امت نے ابتدا سے اب تک الٰہ، رب، عبادت اور دین کا معنی نہیں سمجھا، اب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن فہمی کے لئے صرف لغت اور عقل کافی ہے......خواہ وہ دو تولہ ہی ہو......ایک مفسر کے لئے ذخیرۂ تفسیر کی حاجت نہیں، اور احادیث ہمارے جیسے آدمیوں کے واسطے سے راوی در راوی ہوتی ہے، ان میں راویوں کے اختلاف طبائع، ذوقی رُجحان اور ذاتی جذبات وخواہشات نے خوب خوب رنگ دکھلایا ہے، وہ محدثین کی جرح وتعدیل سے بھی مطمئن نہیں ہیں، ان کے نزدیک صحیح بخاری میں بھی......جو امت کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے...... ساقط الاعتبار روایات شامل ہیں، وہ آسمانوں کے وجود کا بھی......جیسا کہ اہل اسلام سمجھتے ہیں اور احادیث میں جس کی تصریح ہے......انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہود کے سروں پر طور کا اٹھانا بھی قابل تسلیم نہیں، حور وقاصر الطرف خلاف واقعہ ہیں، ان کے خیال میں کفار کی لڑکیاں اور مسلمانوں کی لڑکیاں جو دخول جنت کے مستحق نہ ہوسکے حور عین بنادی جائیں گی، وہ اہل جنت کی خادمائیں ہوں گی، نیز رسول اللہ ﷺ کی قوتِ جسمانی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری میں منقول ہے وہ بھی غلط ہے، اور کیا کیا بتایا جائے، یہ شخص تو اپنی عقل کے بل بوتے پر (جو شاید چودہویں صدی میں پیدا ہونے کی وجہ سے ذاتی جذبات وخواہشات سے پاک ہے اور ذوقی رجحان سے بالکل بری ہے، مترجم) احادیث کا بے دھڑک انکار کرتا چلا جارہا ہے۔

اس سے سراغ ملتا ہے کہ انھوں نے دستور کے قواعد وضوابط اسی لئے وضع کئے ہیں تاکہ ناقابل تحمل چیزیں گوارہ اور تند تلخ گھونٹ بآسانی مسلمانوں

کے گلے میں اتار دینے کے قابل بنا سکیں ، اور غالبًا اسی لئے انھوں نے دین اسلام کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے وہ کوئی آسمانی مذہب نہ ہو بلکہ ایک سیاسی تحریک یا پارٹی ہو، جس طرح مختلف افراد ایک تحریک، ایک پارٹی یا ایک جماعت لے کر اٹھتے ہیں، اجتماعات ہوتے ہیں، کانفرنسیں ہوتی ہیں، مشورے بازی ہوتی ہے، کمیٹی تشکیل پاتی ہے اور تحریک آگے بڑھنے لگتی ہے، کچھ اسی طرح کے نقشے پر آنحضرت ﷺ نے بھی اسلام کی تحریک چلائی اور عروج وارتقاء کے پروگرام بنائے ، یہ ہے وہ اسلام جس کی جانب مودودی صاحب اپنے دستور وضابطہ میں دعوت دیتے ہیں، اسی کی روشنی میں ان کا لٹریچر تیار کیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ دستور بے حد خطرناک ہے اس کے نتائج حد درجہ بھیانک ہیں، آدمی دین اور اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی اس سے نکل جاتا ہے، پھر ان کے نزدیک یہ بھی حقیقت ثابتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دین اسلام کو لانے والے نہیں ہیں، ہر دین اسلام ہی ہے، آپ نے فقط اس کی تجدید واحیا کا کام کیا ہے، پھر تو آدمی خواہ کوئی دین مانے نجات کے لئے کافی ہے، دین محمدی کی اسے ضرورت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ایک صاحب کیلئے اتنے ارشاد کافی ہیں، واقعہ یہی ہے کہ مودودی صاحب کے اس بحر ذخار کے چند قطرے ہی ہیں جو ان کی کتابوں اور مقالات میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کے اقوال واحوال کا پوری دیانتداری کے ساتھ بے لاگ جائزہ لے کر ان پر اتمامِ حجت کر دیں۔

اس مقدمہ کے اخیر میں مناسب ہے کہ اکابر علماء ومشائخ کی وہ قرارداد بھی ذکر کر دیں جو مودودی صاحب اور ان کی جماعت ودستور کے متعلق ۲۷ر

شوال ۱۳۷۰ھ مطابق یکم/اگست ۱۹۵۱ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند، دہلی میں علماء کے اتفاق سے منظور ہوئی تھی، اس وقت کے چوٹی کے تقریباً سبھی اکابر شامل تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ (۱)۔ یہ حضرات علم وتفقہ اور دین ودیانت میں ہمارے ملک کے مسلم ومعروف اعیان واکابر ہیں، اور فی زمانہ فتویٰ کا مدار انھیں اکابر پر ہے۔

إذا قالت حذام فصدقوها
فإن القول ماقالت حذام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

(۱) ان میں سے سبھی حضرات انتقال فرما چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

قرارداد (۱)

مودودی صاحب اوران کی جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ لوگوں میں ائمہ دین کی پیروی سے آزادی کا رجحان پیدا کرتا ہے، اس کے بعد ان سے ربط وتعلق باقی نہیں رہتا ، یہ چیز ایسی ہے جس میں عام کی ہلاکت اور گمراہی یقینی ہے ، اورصحابہ وسلف صالحین سے مسلمانوں کے تعلق میں نقصان کا باعث ہے، ان کی بہت سی تحقیقات ونظریات ایسی ہیں کہ اگر انھیں قبول کرلیا جائے تو دین کا بیحد نقصان ہے، اس لئے ہم بہت صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو بھی تحریک ایسی چیزوں پر مشتمل ہوگی وہ غلط اور مسلمانوں کے لئے مضر ہے، ہم اس جماعت اور اس تحریک سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

اس قرارداد کا اُسلوب بہت نرم ہے، ان پر کوئی سخت گیری نہیں کی گئی اور اخبارات میں اعلان کردیا گیا تا کہ لوگ ادھر مائل ہونے سے پرہیز کریں۔ یہ قراداد ۲۶/ برس (۲) پہلے کی ہے جبکہ مودودی صاحب کا بھی آغاز تھا، صحابہ وتابعین پر ان کی شدت تنقید ظاہر نہیں ہوئی تھی ، اس وقت ان کے قلم سے وہ باتیں نہیں نکلی تھیں جن کا ذکر ہم نے کیا ، نہ ان کی تفسیر آئی ، نہ تجدید دین اور خلافت وملوکیت ، جن میں یہ سب لاف وگزاف بھرے ہوئے ہیں ، اگر یہ حضرات وہ دیکھتے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں تو مودودی صاحب اوران کی جماعت کے بارے میں ان کا فیصلہ اور سخت ہوتا ، تاہم ان اکابر نے نورِ بصیرت سے ان

---

(۱) اصل قرارداد ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم مولانا کی عربی عبارت کا ترجمہ پیش کررہے ہیں۔

(۲) اب تو ۵۵/ برس ہوگئے۔

خطروں کو تاڑ لیا تھا اور قوم کو ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کر گئے جیسا کہ صالحین کا دستور ہے۔

ان میں معدودے چند کے علاوہ باقی سب حضرات جوارِ رحمت میں پہونچ چکے ہیں، اس قرارداد میں ہندوپاک کے اور بھی اکابر کے دستخط ہیں جنھیں نقل کرنے کی حاجت نہیں، یہ امت کا اتفاقی مسئلہ ہے اس میں کسی قابل ذکر عالم کا اختلاف نہیں۔ **فی طلعة الشمس مایغنیک عن زحل**، طلوع شمس کے بعد زحل کی ضرورت ختم ہوجاتی ہے۔

اس قرارداد سے چند ماہ پیشتر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی جانب سے وہاں کے صدر مفتی مولانا مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ نے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں ایک فتویٰ صادر فرمایا تھا جو حسب ذیل ہے۔

> ’’مسلمانوں پر لازم ہے کہ جماعت اسلامی سے پرہیز کریں، اس میں شرکت زہر قاتل ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس میں شرکت سے باز رکھیں، تاکہ گمراہی میں نہ پڑ جائیں، جماعت کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے، اس میں حصہ لینا شرعاً درست نہیں، جو کوئی نشر واشاعت وغیرہ کے ذریعے ان کی تائید واعانت کرے وہ گنہگار ہے اور بجائے اس کے ثواب کا مستحق ہو معصیت اور گناہ کا داعی بنے گا، اور اگر جماعت اسلامی کا آدمی کسی مسجد میں امام ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔
>
> **الجواب صحیح**
>
> سیّد مہدی حسن، رئیس دارالافتاء، دیوبند

مسعود احمد، نائب رئیس دار الافتاء
۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۰ھ

(اصل قرارداد ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم مولانا کی عربی عبارت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں)

مفتی مہدی حسن صاحب دار العلوم دیو بند کے صدر مفتی تھے، ابھی تھوڑے عرصہ قبل ٩٦/ برس کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ اپنے وقت کے محدث کبیر اور بزرگ فقیہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کتاب الآثار'' کی شرح ''قلائد الازہار'' کے نام سے کئی جلدوں میں لکھی، ابن حزم کی ''المحلیٰ'' کا رد ''السیف المجلیٰ فی الرد علی المحلیٰ'' کے نام سے تحریر کیا اور بھی ان کی عمدہ تالیفات ہیں۔

پہلے حصہ میں مودودی صاحب اور جماعت اسلامی پر گفتگو یہیں ختم کرتے ہیں، اللہ ان سب کو ہدایت دے، انشاء اللہ تھوڑے وقفہ کے بعد اس موضوع پر ہم پھر لکھیں گے، یہ تو ابھی آغاز ہے۔

إذا كنت فی المدارک غرا ثم أبصرت حاذقاً فلا تمار
اگر تمہیں کسی چیز سے واقفیت نہ ہو اور تمہیں کوئی ماہر مل جائے تو اس سے بحث وجدال نہ کرو۔

وإذا لم تر الهلال فسلم لأناسٍ رأوه بالأبصار
جب تم نے نیا چاند نہیں دیکھا تو معاملہ دیکھنے والے کے سپرد کرو۔

هٰذا والله ولی التوفیق والهدایة وهو حسبنا ونعم الوكیل ولا حول ولاقوة إلا بالله العلی العظیم۔

۱۳/ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ، یوم الجمعة المباركة
مدرسہ وصیۃ العلوم، الٰہ آباد

مودودی صاحب

اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

(حصہ دوم)

* * *

محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ

مترجم

مولانا اعجاز احمد اعظمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ کی کتاب **الاستاذ المودودی** جز ثانی کا ترجمہ مکمل کر لینے کے بعد خیال ہوا کہ تفہیم القرآن اور مودودی صاحب کا مزید کچھ تعارف ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے، قلم اٹھایا تو تھا فقط چار پانچ صفحے لکھنے کے لئے، مگر مضمون کی آمد ہوتی گئی اور بلا ارادہ لکھتا چلا گیا، اب دیکھتا ہوں تو اصل کتاب کے بقدر یہ مقدمہ ہی ہو گیا۔ اس طوالت کے باوجود مناسب یہی معلوم ہوا کہ اس کو بھی اصل کتاب کے ساتھ ہی شائع کیا جائے، امید کہ طویل ہونے کے باوجود کارآمد اور لذیذ ہوگا، نیز مودودی صاحب کا تعارف ایک نئے انداز سے ہو جائے گا، انداز تبصرہ ذرا سخت ضرور ہے، مگر یہ تلخی اس تلخی سے کم ہی ہے جس کا تجربہ ہمیں مودودی صاحب کی تحریروں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو ہم سب کے لئے نافع بنائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفہیم القرآن اور مودودی صاحب

جماعت اسلامی کے بانی ومؤسس جناب سیّد ابوالاعلیٰ مودودی دورِ حاضر کے زبردست انشاء پرداز اور کثیر التصنیف صاحب قلم تھے، بہت کچھ لکھا اور متعدد موضوعات پر کتابیں تالیف کیں، ان میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل وہ کتاب ہے جسے انھوں نے قرآن مجید کی ترجمانی کے طور پر لکھا ہے، اور ”تفہیم القرآن“ کے نام سے معروف ہے، موصوف کی طبیعت میں ابتداء ہی سے تجدد کا ذوق تھا، ان کا کوئی مضمون کہیں سے اٹھا کر پڑھ لیجئے، تجدد کی دولت سے مالا مال ملے گا، یہی ذوق تفہیم القرآن کے ورق ورق میں نمایاں ہے، انھیں اس سے واسطہ نہیں کہ کسی آیت کی تفہیم وتشریح مفسرین کیا کرتے ہیں، احادیث میں کس طور پر اس کی تفسیر کی گئی ہے، سلف صالحین اس سے کیا سمجھے ہیں، یہاں صرف یہ نظریہ ہے کہ مودودی صاحب نے کیا سمجھا، ان کی فہم ودانائی کے چوکھٹے میں اس کا کیا نقشہ بنا، اس کو وہ انشاء پردازی کی خداداد صلاحیت اور قلم کی تمام تر توانائی صرف کرکے ثابت کردیتے ہیں کہ یہی مطلب صحیح ہے، اللہ کے فرمان کا منشا یہی ہے، اس کے علاوہ جو کچھ کسی نے لکھا اور بیان کیا ہے اس نے یا تو قرآن کو سمجھا نہیں یا سمجھنے کے باوجود دیدہ ودانستہ تحریف کا مرتکب ہوا ہے، نعوذ باللہ، اور اگر کبھی ان کے سمجھے ہوئے مطلب کی راہ میں کوئی صحیح حدیث حائل ہوئی تو نہایت جرأت

وبے باکی کے ساتھ اسے بھی رد کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے، مزید براں لہجہ اتنا تلخ اور تند ہوتا ہے کہ جس کے دل میں اسلاف واکابر کا ذرا بھی پاس ولحاظ ہو اس کا قلب وجگر تلملا اٹھے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے جب تفہیم القرآن لکھنے کیلئے کاغذ وقلم جمع کیا تو پہلے ہی قدم پر ادب اور لحاظ کو اِذنِ رُخصت دے دیا، اور حکم نافذ کر دیا کہ جب تک ہماری انگلیوں کے بیچ میں قلم اور قلم کے نیچے کاغذ دبا رہے، تم دونوں ہر گز نہ آنا، خواہ ہم کو انبیاء کے سلسلے میں کچھ لکھنا ہو یا صحابہ وسلف کے حق میں، حدیث کو ان کے دارالتصنیف میں اس حد تک رہنے کی اجازت ملی، جب تک اس کا کوئی جملہ مودودی صاحب کے خود ساختہ نظریہ کی تائید کر سکے، اسکے بعد اسے بھی حکم ملا کہ الماری سے باہر قدم نہ رکھے، محدثین ومفسرین کو مجرموں کے کٹہرے میں رہنے کا امر ہوا، اور کہہ دیا کہ خبردار اس وقت تک کوئی لب نہ ہلائے جب تک مابدولت اذنِ کلام نہ دیدیں، اور بات بھی صرف اتنی ہی اور وہی کرے جو ہم چاہیں، زبان وبیان کو حکم بھیجا کہ الفاظ وعبارت کو زہر میں بجھا بجھا کر ہمارے پاس حاضر کرو کہ ہاتھ باندھے کھڑے رہیں، ہمیں ایک ایسی مہم سر کرنی ہے جس میں ان ہتھیاروں کی ضرورت ہوگی، جرأت وبے باکی سے کہہ دیا کہ ہماری رگ رگ میں، قلب وجگر میں، ذہن ودماغ میں، روح ووِجدان میں اس طرح سما جاؤ کہ ہمارا تصور ہی اکابر سے بیزاری، خوفِ خدا سے بے نیازی اور محاسبۂ آخرت سے بے پروائی کی ضمانت ہو، کبر وانانیت کو دروازے پر چوبدار بنا کر کھڑا کر دیا کہ عدل وانصاف ہمارے ہاں گھسنے نہ پائیں۔

اس ساز وسامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ مودودی صاحب تفسیر کے میدان

میں اترے، ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کا قلم جو گل کھلائے گا اور ان کی ذہانت جو رنگ دکھائے گی وہ منفرد ہی ہوگا۔ انھیں کسی حدیث کے نقل کرنے سے کوئی غرض نہیں بجز اس کے کہ وہ ان کی تائید کردے۔ مفسرین سے تو وہ خدا واسطے کی بیزاری رکھتے ہیں، ہاں کوئی مفسر کہیں ان کے مطلب کی بات لکھ گیا تو اسے ضرور نقل کردیں گے، وہ اپنے قاری کو کانوں کان یہ خبر نہ ہونے دیں گے کہ اگلے علماء جنھوں نے اپنی قوت کا ایک ایک قطرہ اور وقت کا ایک ایک لمحہ قرآن وسنت کی خدمت میں نچوڑ کر رکھ دیا تھا، اور جن کا کوئی قدم تقویٰ اور محاسبۂ نفس کے بغیر اٹھتا تک نہ تھا، اور جن پر امت اب تک اعتماد کرتی چلی آئی ہے، انھوں نے کیا سمجھا اور کیا لکھا ہے، اس کے برعکس ان پر سخت الفاظ میں چوٹیں کرنا، ان کے حق میں استہزائی کلمات لکھنا اور طنز وتعریض کے تیروں کا بے دریغ نشانہ بنانا ان کا محبوب مشغلہ ہے، تفہیم القرآن کہیں سے اٹھا کر پڑھ لیجئے، جہاں کہیں مفسرین کا ذکر کیا ہے، دیکھ لیجئے ”ادبِ عالیہ“ کے کیسے کیسے شہ پارے قلم سے ڈھلتے چلے جاتے ہیں، اور کہیں مشائخ اور اہل تصوف کا ذکر آ گیا ہے تو پھر کیا کہنا اشہبِ قلم کو ایڑ لگ جاتی ہے اور گویا کہ اُڑنے لگتا ہے اور بے تکلف ان کو کافروں اور جہنمیوں کے زمرے میں گھسیٹ دیتا ہے، ہم یہ تلخ نوائی یوں ہی نہیں کر رہے ہیں، تفہیم القرآن پڑھنے کے بعد ہمارے سینے پر یہ داغ بہت لگے ہیں، آگے کی سطور میں چند نمونے نظر سے گذریں گے۔

مودودی صاحب کی وفات کے بعد جماعت اسلامی ہند کے سرکاری آرگن ”روزنامہ دعوت“ نے ایک خصوصی شمارہ ”سیّد مودودی نمبر“ کے نام سے شائع کیا ہے، اس میں اکثر مضمون نگاروں نے موصوف کے اس وصف کو سراہا ہے

کہ وہ مخالفین کے جواب میں ہتھے سے نہیں اکھڑتے، شائستگی اور متانت کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ جھوٹ بولنا اور برسرعام بولنا اس زمانے کی سیاسی بازیگری کا سب سے بڑا گر ہے، جماعت اسلامی کے افراد جو رات دن سیاست واقتدار ہی کا نعرہ گلی کوچوں میں لگاتے پھرتے ہین بھلا اس سے کیوں محروم رہتے۔ ان مضمون نگاروں نے اور کوئی بات غلط کہی ہو یا نہ کہی ہو، یہ بات تو سو فیصد غلط ہی نہیں بلکہ سفید جھوٹ ہے، مودودی صاحب کا چند ورقی مضمون یا ہزاروں صفحات پر مشتمل کوئی کتاب، اٹھا کر دیکھ لیجئے، جہاں کہیں علماء ومشائخ اور صوفیاء کی خبر لیتے ہیں وہاں ان کے لب ولہجہ کی شائستگی ملاحظہ کیجئے کہ گستاخی وبے باکی کا کیا طوفان برپا ہوتا ہے، الفاظ کے زہریلے خنجر اس صفائی کے ساتھ دست قاتل میں چلتے ہیں کہ کسی کا پہلو زخم وجراحت سے بچ کر نکل نہ سکے، مودودی صاحب کے یہ ادیبانہ اسلحے اتنے کارگر ثابت ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا خود بخود غیر شعوری طریقے پر علماء ومشائخ سے بدگمان اور متنفر ہوتا چلا جائے، لیکن ہمارے قارئین یہ خوب سمجھ لیں کہ آپ کے نزدیک یہ عیب ہو تو ہو، مگر مودودی صاحب اور ان کے متبعین اس کو نہ صرف بہتر بلکہ ضروری سمجھتے ہیں، شاید آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو خود ''بانئ جماعت'' ہی سے سنئے!

> ''تخریبی تنقید کے بغیر وہ الفت وشیفتگی دور نہیں کی جاسکتی جو لوگوں کو رائج الوقت تخیلات اور طریقہ ہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے، لہٰذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے۔'' ترجمان القرآن، ج:۱۴، شمارہ:۲، ص:۱۳۴، بحوالہ مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں، ص:۸۰)

اب تو آپ نے یقین کرلیا ہوگا کہ تنقید کے یہ حربے کس درجہ ضروری ہیں، ہم نہیں سمجھ سکے کہ دعوت کے مضمون نگاروں نے موصوف کے اس قسم کے فرمودات پڑھے نہیں یا یہ کہ پڑھتے وقت ان پر غنودگی طاری تھی۔

مکتب کی درسی کتابوں میں کبھی ہم نے پڑھا تھا، پڑھنے کا موقع محل تو اب یاد نہیں، تاہم اس کا نقش لوحِ دل پر خوب جما ہے کہ ’’بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں پر رحم کرو‘‘ اس کا مفہوم یہی سمجھایا گیا تھا کہ کوئی شخص جو اپنے سے بڑا ہو خواہ عمر میں، خواہ علم میں، وہ ادب واحترام کا مستحق ہے، اسی کے زیر اثر ہم سے بستی کے ان بڑے بوڑھوں کے ادب کا بھی مطالبہ کیا جاتا تھا جو علم وشعور میں کوئی مقام نہ رکھتے تھے، ہمیں سکھایا گیا تھا کہ لکھ پڑھ کر کوئی شخص خواہ افلاطون ہی ہو جائے تاہم اس کا فرض ہے کہ وہ قاعدہ بغدادی پڑھانے والے میاں جی کا بھی وہی ادب ملحوظ رکھے جو کسی بڑے استاذ کا کرسکتا ہے۔ ہمیں بچپن میں مولانا تھانویؒ کے مواعظ بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان میں یہ واقعہ اب بھی محفوظ ہے کہ کسی دیہاتی کا لڑکا دُنیوی تعلیم حاصل کرکے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر پہونچ گیا، باپ ایک بار کسی معاملہ میں اس سے ناراض ہوا تو برسر اجلاس کرسی سے کھینچ کر جوتے سے اس کی خبر لی، حاضرین متحیر تھے اور پریشان بھی کہ یہ کون بڈھا ہے جو اس بے باکی کے ساتھ ڈپٹی کلکٹر پر جوتے برسا رہا ہے، اور ڈپٹی صاحب ہیں کہ خاموش ہیں، جب اچھی طرح پٹ لئے تو کپڑے جھاڑ کر پھر کرسی پر جا بیٹھے، اور لوگوں سے مخاطب ہوکر بولے کہ صاحبو! یہ میرے باپ ہیں جب میں دس برس کا تھا تو یہ اسی طرح غلطیوں پر میری خبر لیا کرتے تھے، اب میری عمر بیس سال اس وقت سے زیادہ ہوچکی ہے، تو آپ خیال کریں یہ بھی اسی حساب سے بیس برس آگے بڑھ

گئے ہیں، تناسب میرے اور ان کے درمیان اب بھی وہی باقی ہے، اس لئے ان کا وہ حق بدستور قائم ہے۔

ناظرین کرام! ہمیں تو یہی سبق یاد ہے، ہماری توقع دین کے ہر داعی سے یہی ہے وہ بھی اپنے بزرگوں اور اکابر کا پاس ولحاظ رکھے ورنہ ہم مجبور ہیں کہ اس کا بھی ادب واحترام اٹھا کر باہر پھینک دیں، ظاہر ہے کہ پچھلوں کو علم وفضل کی جو بھی سوغات ملتی ہے اگلوں سے ہی ملتی ہے، یہ سائنس وفلسفہ کی دنیا نہیں ہے کہ ہر نئی اختراع کو بے مثال کارنامہ قرار دیا جائے، یہ دین ودیانت کا معاملہ ہے، یہاں تو ''ایجادِ بندہ'' کو بدعت وگمراہی کے علاوہ کوئی سند نہیں مل سکتی۔

مودودی صاحب نے بھی آخر اگلے ہی علماء کی کتابوں سے فیض پایا ہے، یہ صحیح ہے کہ انھیں باقاعدہ کسی استاذ سے تلمذ حاصل نہیں ہے، لیکن جیسے یہ صحیح ہے ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ یہ بھی درست ہے کہ جن مصنفین کی کتابیں پڑھ کر انھیں دینی شعور کی منزل ملی ہے، اور جن کی مدد سے وہ زبان وادب کے پھول کترتے رہتے ہیں، اور جن کے واسطے سے دین حاصل ہوا ہے وہ بھی بڑے اور بہت بڑے ہیں، جہاں اوروں کے ادب کا مطالبہ ہوگا وہاں یہ حضرات پہلے ادب کے مستحق ٹھہریں گے، بیشک یہ حضرات بھی انسان ہی ہیں، بشری علم کی جو حدود اللہ نے مقرر کردی ہیں ان سے آگے نہیں جاسکتے، ان سے بھی مسائل میں غلطی ہوسکتی ہے، ہوسکنا کیا؟ ہوتی ہے، لیکن ان غلطیوں پر تنقید کرنے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ ان کے تمام علم وکمال ان کی دیانت داری ان کے صلاح وتقویٰ اور ان کی خدمات پر خط نسخ کھینچ دیا جائے؟ اور انھیں اس صورت میں پیش کیا جائے کہ سرے سے ان پر اعتماد کا خاتمہ ہوجائے؟ دانائے شیراز مصلح الدین

سعدؔی صدیوں پہلے ایک زرّیں نصیحت کر گئے ہیں، لیکن ''اقامت دین'' کی دوادوش میں جان کھپانے والوں کو اتنی فرصت کہاں کہ غریب سعدی کی ''گلستاں'' کو کوئی اہمیت دیں، وہ تو شاید ہر اس شخص کو گردن زدنی اور کشتنی سمجھتے ہیں جو دن رات میں کم از کم دس بار حلق کی قوت صرف کر کے حکومت الٰہیہ کا نعرہ نہ لگائے، اور بے چارے سعدی کو یہ سعادت کہاں میسر؟ بہر کیف انھیں سعدی نے یہ فرمایا ہے:

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت پائیدار

اسلاف کا نیک نام ضائع مت کرو۔ تا کہ تمہارا نیک نام قائم رہے

قرآن میں بھی انبیاء کو اور ان کے واسطے سے امتوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ پچھلے تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے، کسی کے انکار وتکذیب کے بعد مومن ہونے کے کوئی معنی نہیں، جو بدنصیب کسی ایک نبی کی تکذیب کرے گا اس کا رشتہ ہر ایک سے منقطع ہو جائے گا، خواہ ہزاروں بار اپنے مومن ہونے کا اعلان کرے، منشاء الٰہی یہ ہے کہ اگلوں کی خدمات کا انکار کرنا درست نہیں ہے۔

مگر مودودی صاحب کی منطق الٹی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گذشتہ علماء کو خطا کار و گنہگار نہ ٹھہرایا گیا، ان کی غلطیوں کی لمبی فہرست نہ تیار کی گئی، ان کی کمزوریاں نہ اجاگر کی گئیں، اور ان کو یکسر غلط کار نہ ثابت کیا گیا تو ہماری انفرادیت کا بھرم باقی ہی کیا رہے گا، اور ہم جو تنہا ''اقامت دین'' کا نعرہ لے کر اٹھے ہیں اسے کون پوچھے گا؟ روشنی کی قدر اسی وقت ہوتی ہے جب ہر چہار جانب تاریکی کا بھیانک تسلط ہو، مودودی صاحب اور ان کے رفقاء نے زورِ قلم سے یہ ثابت کر دیا کہ ان سے پہلے ہر طرف ظلمت ہی ظلمت کا بسیرا تھا، روشنی کیا کہیں کوئی ٹمٹماتا چراغ بھی نہ تھا، مودودی صاحب آئے تو چاندنا ہوا اور ہاتھ کو

ہاتھ سجھائی پڑا، اس مہم کو سر کرنے کیلئے موصوف نے وہ تمام ادیبانہ حربے استعمال کئے جن سے اسلاف کی خدمات حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں۔ اس مقام پر اگر کسی کا ادب واحترام مانع ہوتا، شرم وحیا دامن گیر ہوتی، خداترسی وللٰہیت راستہ میں حائل ہوتی تو ظاہر ہے کہ یہ کارِ عظیم کسی طرح انجام نہیں پاسکتا تھا، اس لئے ابتداء ہی میں موصوف نے ان سب سے دامن چھڑالیا تاکہ کوئی جھجک باقی نہ رہے، چنانچہ ان کا لٹریچر ڈنکے کی چوٹ اعلان کررہا ہے کہ پورے دین کو تو کوئی کیا سمجھتا ایک **لا الٰــــہ إلا الله** کی صحیح تشریح کسی سے بن نہ پڑی، مولانا محمد منظور نعمانی کی شہادت سنئے، لکھتے ہیں:

> ایک دن ہم ساتھ بیٹھے تھے، میں نے مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ **لا الٰــــہ إلا الله** کی جو آپ تشریح کرتے ہیں، کیا پہلے بھی کسی عالم یا مصنف نے یہ تشریح کی ہے (واضح رہے کہ اس وقت میرا یہ سوال اعتراض یا کسی بحث کی نیت سے نہیں تھا بلکہ استفسار ہی کیلئے تھا) موصوف نے فرمایا کہ: بس شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہیں جو کافی دور تک صحیح چلتے ہیں لیکن قریب پہونچ کر مڑ جاتے ہیں۔ (الفرقان، نومبر دسمبر ۱۹۷۹ء، ص:۷۳)

جب **لا الٰہ إلا الله** کی شرح کا یہ حشر ہے، جو اسلام کی خشت اول ہے تو پھر بقیہ امور کے بارے میں جو کچھ سوچا اور سمجھا گیا ہوگا ظاہر ہے، یہی وہ چیز ہے جو مودودی لٹریچر کا نمایاں عنصر اور غالب پہلو ہے، اور یہیں سے دین کی تحریف کی راہ ہموار ہوئی، علماء امت نے ان کا راستہ جو روکا اس کا منشا یہی تھا کہ لٹریچروں کے پشتارہ سے لدی ہوئی یہ تحریک اور جماعت دین کا حقیقی سانچہ بدل کررہے گی، **قد وقع ما أخاف أن يكون، إنا لله وإنا إليه راجعون.**

مودودی صاحب کی تحریروں میں ان کے معتقدین کی نگاہ میں خوبیاں اور ناقدین کے نزدیک خرابیاں بہت ہیں، مگرادب وانشاء کا ایک ہنر کہہ لیجئے یا صنعت! مودودی صاحب نے اسے خوب برتا ہےاوراس میں بڑی چابک دستی اور فنکاری کا مظاہرہ کیا ہے، اگرآپ ان کا ہی نہیں پوری جماعت کا لٹریچر بغور پڑھیں تواس ادبی صنعت گری کے نمونے جابجا ملتے چلے جائیں گے، اس اُسلوب میں وہ اپنا مدعا اس خوبصورتی سے دلنشین کردیتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی کون سی متاعِ گرانمایہ کھو بیٹھا، شاعری کی زبان میں اس صنعت کا نام ''ایہام'' ہے، اس کی تشریح علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:

> ''ایہام کے معنی یہ ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک معنی مراد ہوں اور دوسرے معنی مراد نہ ہوں، لیکن مقدم اور مؤخر الفاظ سے اس کو مناسبت ہو، مثلاً ؎ ایک پھول کا مضمون ہوتو سو رنگ سے باندھوں، رنگ کے دو معنی میں ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے، طرح، قسم، طرز، یہی پچھلے معنی یہاں مراد ہیں، یعنی پھول کے مضمون کو میں سوطرح سے باندھ سکتا ہوں، یہاں پہلے معنی مراد نہیں ہیں، لیکن گل سے اس کو مناسبت ہے،
>
> (موازنۂ انیس ودبیر، ص:۱۰۴)

یہ تشریح تو مفرد کلمات کے متعلق ہے، مگر ایہام کی صنعت جب پورے کلام میں برتی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک اس کا صاف وصریح مطلب ہو اور بظاہر وہی مراد ہو، مگر ٹھیک اسی وقت اس سے ایک دوسرا مطلب بھی ظاہر ہو رہا ہو، اور ممکن ہے حقیقۃً وہی مراد ہو، یعنی نشانہ کسی پر لگا ہو اور مار کہیں اور جا رہی ہو، درحقیقت یہ ایک قسم کا توریہ ہے، مودودی صاحب نے یہ صنعت خوب

استعمال کی ہے، حساس آدمی جب ان کی اس قسم کی عبارتیں پڑھتا ہے تو قلب وجگر میں گہری چوٹ لگتی ہے اور دل تھام کے رہ جاتا ہے، چاہتا ہے کہ دل کے پھپھولے توڑے، مگر عبارت کا دروبست اور بندش ایسی ہوتی ہے کہ اس کی روشنی میں اپنے مطلب کی وضاحت بے غبار کردیں اور معترض کو شرمندہ ہونا پڑے، اب وہ بے چارہ مجروح دل لئے دم بخود رہ جائے اور یہ تالی پیٹ کر کامیابی کا شادیانہ بجاویں، مثلاً ان کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:

> ''یہ فقرہ خود بتارہا ہے کہ اس وقت کیا حالت ہوگی، بڑے بڑے ہیکڑ مجرمین کے کس بل نکل چکے ہوں گے، اور کسی مزاحمت کے بغیر وہ کان دبائے جہنم کی طرف جارہے ہوں گے، کہیں کوئی ہزمیجسٹی دھکے کھارہے ہوں گے اور درباریوں میں سے کوئی اعلیٰ حضرت کو بچانے کے لئے آگے نہ بڑھے گا، کہیں کوئی فاتح عالم اور ڈکٹیٹر انتہائی ذلت کے ساتھ چلا جارہا ہوگا اور اس کا لشکر جرار خود اسے سزا کے لئے پیش کردے گا، کہیں کوئی پیر صاحب یا گروجی یا ہولی فادر واصل جہنم ہورہے ہوں گے اور مریدوں میں کسی کو فکر نہ ہوگی کہ حضرت والا کی توہین نہ ہونے پائے۔'' تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۲۸۳

ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''یعنی یہ مذہبی پیشوا اور پیر، یہ پنڈت اور پروہت، یہ کاہن اور واعظ، یہ مجاور اور ان کے ایجنٹ، محض اپنی دکان چمکانے کے لئے عوام کو الو بنارہے ہیں۔'' تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۲۴۰

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ’’لیکن اصل مدعا تو کفار کو یہ بتانا ہے کہ اللہ کا نبی اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدارسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً تمہارے یہاں کیا کرتے ہیں، جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ’’حضرت‘‘ قسم کے لوگ ہر اس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں گستاخی کرے، بلکہ مرجانے کے بعد ان کی قبر کی بھی اگر کوئی توہین کر گذرے یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی برا خیال ہی دل میں لائے تو وہ اس کا تختہ الٹ دیتے ہیں، یہ خیال زیادہ تر ’’حضرتوں‘‘ کا اپنا پھیلا ہوا ہوتا ہے۔‘‘ تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۴۸۱

ہم نے سرسری طور پر تین اقتباسات نقل کئے ہیں، ناظرین ان تینوں اقتباسات میں بندش عبارت پر غور کرلیں کہ کہیں مجالِ اعتراض ہے، مگر خط کشیدہ الفاظ صاف چغلی کھا رہے ہیں کہ اصل مقصد تصوف، اہل تصوف اور خانقاہ پر چوٹ کرنا ہے، کیونکہ یہ الفاظ انھیں کے ہاں رائج ہیں، تاہم اگر آپ شبہ کریں گے تو فوراً ادھر سے جواب حاضر ہوگا کہ ہم اہل حق مشائخ اور برحق پیروں پر حملہ نہیں کرتے، بلکہ اس کی زد میں جاہل قسم کے گمراہ پیر ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اس کی توضیح کہیں آپ نے کی، جب ’’ہولی فادر‘‘ ’’گروجی‘‘ ’’پنڈت اور پروہت‘‘ وغیرہ علی الاطلاق بغیر کسی قید کے مراد ہیں، تو ’’پیر مرید‘‘ اور ’’حضرت والا‘‘ وغیرہ میں جاہل اور گمراہ کی قید کہاں سے آجائے گی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے افراد بس کافروں ہی کی فہرست میں ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ہمارے ناظرین کو اس بات کا علم ہو کہ مودودی صاحب کے نزدیک مطلقاً تصوف کفر کا خادم اور ’’جاہلیت راہبانہ‘‘ ہے، تو خود بخود یہ مسئلہ

صاف ہوجاتا ہے کہ ’’پیر‘‘ کہہ کر ان تمام حضرات کو مودودی صاحب نے جہنم میں گھسیٹ دیا جن کے بارے میں پیری مریدی کے تصورات پائے جاتے ہیں خواہ وہ امام غزالی ہوں یا مجدد الف ثانی!

اگر کسی صاحب کو یہ خوش فہمی ہو کہ مودودی صاحب ان اکابر تصوف کے بارے میں ایسا خیال ہرگز نہ رکھتے ہوں گے بلکہ وہ تو انھیں نیک صالح اور متقی شمار کرتے ہیں، چنانچہ ان کی بعض کتابوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، تو ہم ان کی خدمت میں باادب عرض کریں گے کہ مذکورہ بالا عبارتوں کا جو صاف اور صریح مدلول ہے اس میں کسی کا کوئی استثناء ہے، اگر موصوف کا واقعی وہی خیال تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو آخر ان کو محتاط عبارت تصنیف کرنے سے کس نے روک دیا تھا، کیا انھیں محتاط تعبیر پر قدرت نہیں، ہم تو انھیں الفاظ وعبارات کا بادشاہ سمجھتے ہیں، اگر وہ چاہتے تو ایک سے بڑھ کر ایک محتاط تعبیر انھیں مل جاتی، ہمیں ان سے یہ بڑی شکایت ہے کہ جب عبارت آرائی کا جنون ان پر مسلط ہوتا ہے تو گردوپیش کی انھیں مطلقاً پرواہ نہیں رہتی کہ کون کون ان کی تیز گامی میں کچلتا چلا جاتا ہے، لیکن اوپر کا خیال محض خوش فہمی ہی ہے، ہم نے بھی مودودی صاحب کے حق میں یہی حسن ظن قائم کرنا چاہا تھا، مگر ان کے لٹریچر کا مجموعی مطالعہ اس خوش فہمی کو شدت کے ساتھ رد کرتا ہے، مجبوراً یہی یقین کرنا پڑتا ہے کہ موصوف کا نظریہ ہی ان حضرات کے بارے میں سقیم ہے۔

یہ ہے مودودی صاحب کا وہ اعلیٰ ادبی اُسلوب اور پختہ فنکاری، جس کے دامِ فریب میں سینکڑوں شکار پھنستے چلے جائیں اور انھیں ہوش بھی نہ رہے کہ کہ اکابر واسلاف پر اعتماد کی جو گراں قدر پونجی انھیں حاصل تھی یکایک ان سے

چھن گئی، اور اس کے بعد ملا کیا؟ مودودی صاحب کا لٹریچر! جس کے پڑھنے سے نہ خدا اور رسول کی محبت دل میں موجزن ہوتی، نہ آخرت کا فکر دامن گیر ہوتا، نہ جنت کا کوئی ولولہ پیدا ہوتا نہ جہنم کا خوف قلب وجگر میں سماتا، نہ تقویٰ کی پاکبازی نہ زُہد کی یکسوئی، نہ تواضع کی رفعت نہ خشوع کی لذت، نہ ایمان کی حلاوت اور نہ گناہوں سے نفرت! ہاں اگر حاصل ہوتی ہے تو مال وجاہ کی لامتناہی حرص، اقتدار کی بھوک، ملک گیری کی ہوس، اکابر سے انحراف، صحابہ کے حق میں بدگوئی، انبیاء کی توہین، دوسروں کی تحقیر، گناہوں سے بے پروائی، اہل اللہ کا مذاق، علماء پر طنز، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کو پسند ہیں، یہی اس دین کا خلاصہ ہے جس کو مودودی صاحب پیش کرتے ہیں، اگر آپ کو یقین نہ ہو تو جماعت اسلامی کے مجاہدین سے مل کر دیکھ لیجئے، ان سے معاملہ کیجئے، ہر موضوع پر گفتگو کیجئے، یہ تمام چیزیں ایک ایک کر کے دل سے نکل کر ان کی زبانوں پر آجائیں گی۔ حدیث میں نیک لوگوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ جب ان کو دیکھو تو خدا یاد آئے، آپ ان لوگوں میں ذرا بہم ہو کر دیکھئے، خدا کا نام زبانوں پر آئے گا مگر برائے بیت! ہر وقت حکومت، اقتدار اور دولت کی رَٹ ملے گی، اور اہل اللہ ومشائخ کی توہین وتذلیل کا نشہ تو اس جماعت پر اس طرح سوار ہے کہ فقط اس کا تصور ہی ان سب سے منحرف ہو جانے کی دعوت دیتا ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس لچھن کے بعد یہ جماعت اسلام کی کیا خدمت انجام دے سکتی ہے۔

ہم نے اس مسئلہ پر بار بار غور کیا کہ تفہیم القرآن جو قرآن کی ترجمانی کے لئے تصنیف کی گئی ہے، اس میں اس درجہ تلخ اور ناگوار گفتگو کا منشا کیا ہے؟ آخر اکابرامت نہ سہی انبیاء وصحابہ کا ذکر تو نرم اور خوشگوار اُسلوب میں کریں اور متواضع

اور مؤدب الفاظ تحریر فرمائیں، مگر ایسی جگہوں پر بھی وہ بے تکلف اسی انداز میں قلم کو حرکت دیتے چلے جاتے ہیں جس انداز میں کسی معمولی شخص کے متعلق لکھا جاسکتا ہے، ان کا اندازِ کبریائی ہر جگہ یکساں قائم رہتا ہے، تفہیم القرآن کے مطالعہ کے دوران ایک عبارت ملی جس سے یہ عُقدہ کسی قدر حل ہوا، لکھتے ہیں:

> ”فرمانِ مبارک کا منشا یہ ہے کہ تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو، نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے، بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے، مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے، پہلے دشمن کی اصلی طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا، پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے۔ (تفہیم القرآن، ج:۲،ص:۱۶۰)

یہ سرزنش صحابہ کو ہو رہی ہے، کون کر رہا ہے، بقول مودودی صاحب کے حق تعالیٰ! لیکن ہم نے بار بار غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں تنبیہ کا یہ انداز کہیں اختیار کیا ہے، کہیں یہ کہا ہے کہ تم نے نبی کا مشن نہیں سمجھا؟ کہیں یہ فرمایا کہ تم پر بار بار دنیا کا لالچ غالب آجاتا ہے؟ غنیمت پر جھگڑنے کا کہیں ذکر ہے؟ مگر باوجود تلاش وجستجو کے اس انداز کی ڈانٹ ڈپٹ قرآن میں کم از کم ہمیں تو نہیں ملی، ہاں صحابہ کی غلطیوں پر روک ٹوک ملی ضرور ہے مگر اس طور پر کہ ساتھ ہی ساتھ معافی کا اعلان بھی ہوتا جارہا ہے، اور غلطیاں بھی صراحۃً نہیں لطیف اشاروں میں بیان ہوتی ہیں، اللہ اللہ! خدا کو تو ان محبوبانِ امت کا اتنا پاس ولحاظ منظور ہے کہ ایسا کوئی جملہ ارشاد نہیں فرماتے جو ان کی آزردگیٔ خاطر کا باعث ہو، اگر آپ

مثال چاہتے ہیں سنئے!

﴿اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ جب تم میں سے دو جماعتوں نے کمزوری دکھانے کا ارادہ کرلیا تھا اور اللہ ان دونوں کا والی تھا، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

قربان جایئے اللہ کی مہربانی پر، وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا نے انھیں سنبھال لیا، کس محبت کے انداز میں فرمایا کہ انھوں نے تو بچل جانے کا ارادہ کرلیا تھا، مگر اللہ ان کا کارساز تھا، یہی وہ محبت آمیز عتاب تھا جس پر صحابہ مرمٹتے تھے، ان دونوں قبیلوں کے حضرات نے اس آیت پر ناز فرمایا تھا۔

دوسری مثال لیجئے! غزوۂ احد ہی کے موقع پر تیرانداز دستہ جو پہاڑ کی گھاٹی پر تعینات تھا، اس کی اجتہادی غلطی کے نتیجے میں لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان بڑے پیمانے پر جانی نقصان میں پڑ گئے، خود سرکار دوعالم فداہ أبي وأمي ﷺ شدید زخمی ہوئے، دندانِ مبارک شہید ہوگئے، رُخسارِ پُر انوار میں خود کی کڑیاں گھس گئیں، نعوذ باللہ آپ کی شہادت کا ہنگامہ کھڑا کردیا گیا، ظاہری اسباب کے تحت یہ سب کچھ ان تیرانداز حضرات کی غلطی کے باعث ہوا، چنانچہ قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، لیکن سورہ آل عمران کھول کر دیکھ لیجئے جہاں اس غلطی کا ذکر آیا ہے متصلاً ہی اس پر معافی کا اعلان بھی کیا گیا، فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

اور بالیقین اللہ نے تم کو معاف کردیا، اور مومنین پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

اور بلاشبہ اللہ نے ان کو معاف فرمادیا، یقیناً اللہ غفور اور حلیم ہیں۔

یہ بار بار اعلانِ عفو کیوں ہو رہا ہے؟ آخر ان کی دل جوئی کے یہ سامان کیوں کئے جا رہے ہیں؟ ان حضرات سے غلطی ہوئی، اگر ملامت کی جاتی اور وہ بھی اللہ کی جانب سے تو وہ سنتے اور شرمندگی سے چھپتے، آہیں بھرتے، روتے روتے بے تاب ہو جاتے، جب انھیں یہ تصور ہوتا کہ ہم لوگوں کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو یہ صدمہ جھیلنا پڑا تو ان کے کلیجے منہ کو آنے لگتے اور اس ملامت سے ان کے دل میں برگشتگی کا وسوسہ بھی نہ گذرتا، مگر اللہ کی شانِ عفو وکرم ہے کہ بار بار تھامتی ہے کہ تم سے غلطی ہوئی، شیطان نے تمہارے قدم ہلا دیئے، ٹھیک مگر اطمینان رکھو، اللہ نے تمہیں بخش دیا، ذرا تاکیدی جملہ ملاحظہ ہو: **وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ**، لام بھی تاکید کیلئے اور قد بھی تاکید کیلئے، دوہری تاکید کے ساتھ معافی کا پروانہ ملتا ہے، پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا، رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ تم اس قدر نرم دل واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر تم سخت دل، درشت خُو ہوتے تو لوگ منتشر ہو جاتے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

پس ان کو معاف کر دو، اور ان کیلئے اللہ سے مغفرت چاہو، اور معاملہ میں ان سے مشورہ لو۔

تین باتیں آپ ﷺ سے فرمائیں، آپ انھیں معاف کر دیجئے، صحابہ کی تسلی کے لئے اتنا بھی بہت کافی ہے کہ حق تعالیٰ ان کے لئے معافی کی سفارش فرمائیں، لیکن ان کی مزید تسکین کے لئے فرمایا کہ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ سبحان اللہ! خدا نبی سے سفارش کرے اور نبی خدا کے حضور

شفاعت کریں، ایسی محبوبیت کسے نصیب ہے، صحابہ کے قلوب بھی جذبۂ محبت اور والہانہ شیفتگی سے بلبلا اٹھے ہوں گے، لیکن اب بھی بات پوری نہ ہوئی، محبت جب نمود کرتی ہے تو نگاہیں حیران رہ جائیں، دل اس کو محسوس کریں، مگر زبان وبیان کو تعبیر پر قدرت نہیں ہوسکتی، خیال ہوسکتا تھا کہ جس شخص اور جس جماعت سے ایک بار دھوکا ہو چکا اس پر باوجود معافی کے بھروسہ کرنا مناسب نہیں ہے، دوبارہ اعتماد لوٹنے کے لئے بڑے امتحان وآزمائش کی ضرورت ہے، لیکن معاً فرماتے ہیں کہ ان سے مشورہ لیا کیجئے، کیا مطلب؟ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جس پر کامل اطمینان ہو، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آئینۂ دل پر تکدر کی ہلکی سی گرد بھی باقی نہ رہ جائے، اس کے واسطے اتنا اہتمام فرمایا ہے، یہ ہے ان بزرگانِ امت کی وقعت اللہ کے حضور میں۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کا معاملہ دیکھئے، حدیث کی کتابیں پڑھ جایئے، کہیں آپ کو ایسا کوئی جملہ حضور ﷺ کے فرمان میں نہ ملے گا جس کو صحابہ کیلئے بطور تنبیہ کے آپ نے استعمال کیا ہو، ہر جگہ محبت ودلداری کا ظہور ملے گا، تاحیات آپ کی زبانِ مبارک سے ایسا کوئی کلمہ صادر نہیں ہوا جس سے صحابہ کی دل شکنی کا واہمہ بھی ہو، تیرہ سالہ مکی زندگی میں اور دس سالہ مدنی زندگی میں چند بار اور بس چند ہی بار ایسے موڑ آئے جہاں رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے آزُردگی ہوسکتی تھی، لیکن قربان جایئے اللہ پر، اور فدا ہو جایئے اس کے رسول پر جو رحمت ہی رحمت ہیں کہ عتاب سے آگے آگے شانِ کرم معافی کا پروانہ لے کر آجاتی ہے۔ قرآن وحدیث کا بنظر غائر مطالعہ کر جایئے، جہاں دو چار مواقع ایسے پیش آئے ہیں لطف ومحبت کا پیامبر آگے آگے اور عتاب کا قاصد پیچھے پیچھے ملے گا، یہ

معاملہ تو خدااور رسول کا ہے، اس کو نگاہ میں رکھئے اور پھر مودودی صاحب کا تند و تلخ لہجہ اور کرخت عتاب دیکھئے جو اوپر گذرا کہ لطف وکرم نام کو بھی نہیں، بس ڈانٹ ڈپٹ اور للکار ہے، مزید براں اپنی اس عبارت کو اللہ کے فرمان کا منشا قرار دے رہے ہیں۔ افسوس ہے ایسی ترجمانی پر!

شاید ترجمانی ہی کے تصور نے ان کی تحریروں میں اندازِ کبریائی پیدا کر دیا ہے، غالباً وہ خیال فرماتے ہیں کہ تفہیم القرآن کے اسٹیج پر وہ اللہ کے ترجمان ہیں، اس لئے جو لب ولہجہ حاکم اور بادشاہ کا ہوتا ہے وہی مجھے اختیار کرنا چاہئے، چنانچہ ان کی تشریحات میں حاکمانہ آن بان قائم رہتی ہے، اور طرزِ گفتگو میں کوئی لچک پیدا نہیں ہوتی، لیکن مودودی صاحب اس نکتہ سے آشنا نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف حاکم ومقتدر ہی نہیں رؤوف ورحیم بھی ہیں، وہ جہاں مالک الملک ہیں وہیں محبوب ومنظور بھی ہیں، محبت واُنس کے اس عنصر کی کمی بلکہ فُقدان نے ان کے لٹریچر کو اس قدر بوجھل اور کرخت بنا دیا ہے کہ کوئی صاحب ذوق اس کو سہولت سے پڑھ جانے پر قادر نہیں ہوسکتا، بھلا اس دین میں بندوں کے لئے کیا کشش ہوسکتی ہے جس میں خدا کا تصور بس ایک بارُعب، قادر مطلق، بے نیاز وبے پرواشہنشاہ کی شکل میں ہو اور اس میں محبت وانس، لگاؤ، رچاؤ کا سرے سے کوئی عنصر ہی نہ ہو۔

بہر کیف! غالباً مودودی صاحب کو اللہ کی ترجمانی کا ہوکا ہے، اس بنا پر وہ لب ولہجہ اور اُسلوبِ تعبیر وہی اختیار کرتے ہیں جس کا حق صرف اللہ کو ہے، اور لطف یہ ہے کہ اس ذاتِ کریم نے کہیں اس انداز سے کام ہرگز نہیں لیا، اور رسول تو سراپا رحمت ہیں، آپ کے ہاں تو کافروں تک پر سخت الفاظ میں نکیر نہیں ہوتی، پھر بھلا صحابہ جن کی پرورش ونگہداشت آپ نے اولاد سے بڑھ کر کی ہے ان کے

متعلق کوئی سخت کلمہ آپ کی سراپا رحمت زبان سے کیسے نکل سکتا ہے؟ مودودی صاحب نے دیکھا کہ اللہ نے رسول نے تو یہ حق برتا نہیں اس لئے موصوف نے اسے اختیار کرلیا اور انھیں شہنشاہ کی گفتگو میں جس ناگزیر عنصر کی کمی محسوس ہورہی تھی وہ پوری کردی۔ **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون**

مودودی لٹریچر کی یہ بنیادی خامیاں ہیں جن کو علماء حق نے ابتداء ہی میں محسوس کرلیا تھا، اور جو عمارت اس پر کھڑی ہونے والی تھی اس کا نقشہ بھی ان کی نگاہِ فراست نے دیکھ لیا تھا، اور ہم تو اس جماعت کا وہ دور دیکھ رہے ہیں جبکہ اس کے برگ وبار پورے طور پر ظاہر ہوچکے ہیں۔

ہمیں اس بات کا جائزہ بھی لے لینا چاہئے کہ موصوف اس درجہ مبتلائے فریب کیوں ہوگئے، جن اسباب وعوامل کے تحت وہ صراطِ مستقیم سے دور ہٹتے چلے گئے؟ ہمارے نزدیک اس کی اصلی وجہ تو یہ ہے کہ ہدایت وگمراہی کی باگ ڈور حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ان کے علم میں جس کی ہدایت کا فیصلہ ہوچکا ہے اسے گمراہی کی جانب کوئی نہیں کھینچ سکتا، اور جس کی گمراہی مقدر ہوچکی ہے اسے ہدایت کی راہ نہیں مل سکتی، تاہم عالم اسباب میں کچھ محرکات تو صاف ہیں جن کا نتیجہ اکثر گمراہی ہی ہوتی ہے۔

سب سے بڑا اور اصولی محرک ہمارے خیال میں ان کا کسی معتبر عالم کی مخلصانہ اور خردانہ صحبت سے محرومی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی ذہانت اور محنت کے بل پر خواہ کتنا ہی مطالعہ کرڈالے مگر صحیح دینی اور علمی ذوق کسی صاحب نظر عالم کی صحبت ہی بخش سکتی ہے، علم ایک وسیع سمندر ہے، آدمی کسی رہبر کی رہنمائی کے بغیر کسی ایک ہی موج میں غرق ہوسکتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ

ڈاکٹری کورس پڑھنے والا طب کی تمام کتابیں پڑھ لینے اور تمام علوم کو حاصل کر لینے کے باوجود مریضوں کے علاج کے لئے عملی دنیا میں اسی وقت اترتا ہے جب کسی ہوشیار ڈاکٹر کی صحبت میں رہ کر علاج کے زیر و بم سے پوری واقفیت حاصل کر لیتا ہے، اور وہی ڈاکٹر کامیاب اور مقبول سمجھا جاتا ہے جسے کسی ماہر ڈاکٹر کی ماتحتی میں معالجہ کا تجربہ ہو چکا ہو، ایسے ہی کامیاب وکیل وہی ہوتا ہے جو کسی بڑے وکیل کا جونیر رہ چکا ہو، ماہر کی صحبت وقتاً فوقتاً وہ قیمتی نکتے عطا کرتی ہے جو کتابوں کی ہزار ورق گردانی کے بعد بھی نہیں ملتے۔ کسی فن کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہو تو ضروری ہے کہ کسی صاحب ذوق کی خدمت میں رہ کر اس کی تحصیل کی جائے ورنہ آدمی اپنی قوتِ مطالعہ، ذہانت اور خود پسندی کی وجہ سے کسی ایک بات کو حق سمجھ کر اختیار کرے گا، حالانکہ وہ سراپا باطل ہوگی اور غلطی کی بنیاد کوئی دقیق اور مخفی چیز نہیں بلکہ ممکن ہے کہ نگاہوں کے سامنے ہی کا کوئی پہلو اوجھل ہو گیا ہو، اس کی مثال میں ہم مودودی صاحب ہی کا ایک واقعہ عرض کرتے ہیں، مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

> ’’اس زمانے تک بھی (امیر جماعت بننے کے بعد تک) مولانا کی داڑھی بہت مختصر سی تھی، اور سر پر انگریزی وضع کے بال بھی رہتے تھے، میں نے دوستانہ بے تکلفی کے ساتھ ان کی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ ایسی داڑھی رکھنا آپ کے نزدیک جائز ہے؟ مولانا نے فرمایا ہاں، میں حرام یا ناجائز نہیں سمجھتا البتہ خلافِ اولیٰ سمجھتا ہوں، میری رائے یہ ہے کہ داڑھی اتنی ہونی ضروری ہے کہ دور سے نظر آئے اور بقدر ایک مشت سنت ہے، میں نے عرض کیا کہ کتب فقہ میں تو بقدر ایک مشت کو واجب لکھا ہے، اور جو لوگ اس سے چھوٹی رکھتے اور کترواتے ہین ان کے اس

طرزِ عمل کو ناجائز کہا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ بھی اتفاقی ہے، میں نے اس وقت فتح القدیر اور درّ مختار وغیرہ کی یہ عبارت جو اس وقت بھی زبانی یاد تھی، پڑھ کر سنائی: **وأما مایفعله بعض المغاربة ومخنثه الرجال من قصها وهي دون القبضة فلم یجزه أحد** ،(بعض اہل مغرب اور مخنث لوگوں کا یہ طرزِ عمل کہ وہ داڑھی ایک مشت سے کم رکھتے اور کترواتے ہیں، یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔)

مولانا نے فرمایا، لیکن فقہ حنبلی کی کتاب ''مغنی'' میں تصریح ہے کہ اس سے کم رکھنا بھی جائز ہے، میں نے عرض کیا کہ میں نے ''مغنی'' نہیں دیکھی ،اس لئے اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن ایک اصولی بات یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر عام فقہاء مجتہدین ایک فعل کو ناجائز کہتے ہوں اور کسی کتاب میں کوئی قول اس کے جواز کا بھی ہو اور اس کے کرنے میں کوئی شرعی مصلحت بھی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ اس سے بچا جائے۔ علاوہ ازیں صحاح کی جن حدیثوں میں داڑھی رکھنے کا حکم بصیغۂ امر دیا گیا ہے، ان میں دو لفظ آتے ہیں، ایک **أعفوا اللحیٰ** اور دوسرا **أرخوا اللحیٰ**، **أعفوا** اور **أرخوا** کے جو مصدر ہیں یعنی **إعفاء** اور **إرخاء**، عربی لغت کی رُو سے یہ فی الجملہ درازی اور بڑھوتری کو چاہتے ہیں، فقہاء نے غالباً صحابہ کے طرزِ عمل سے یہ سمجھا ہے کہ اگر قریباً ایک مشت داڑھی رکھی جائے تو ان لفظوں کا مطالبہ پورا ہو جائے گا، پس فقہ کی تصریحات سے تھوڑی دیر کیلئے صرف نظر کر کے بھی اگر آپ غور فرمائیں تو اتنا تو آپ کو بھی ماننا پڑے گا کہ صرف اتنی داڑھی رکھنے سے جو بقول آپ کے بس دور سے نظر آئے، ان لفظوں کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا، بلکہ ان الفاظ

کا صاف تقاضا یہ ہے کہ داڑھی کو کچھ لمبا، بڑھا ہوا اور لٹکا ہوا ہونا چاہئے، اور آپ کی موجودہ داڑھی بہت چھوٹی ہے، اس لئے میرے نزدیک حدیث کی رُو سے بھی اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا نے میری یہ بات سن کر کچھ دیر خاموشی سے غور کرنے کے بعد فرمایا میں نے اس مسئلہ پر اس طرح اور اس پہلو سے کبھی غور نہیں کیا تھا، اب میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی بات صحیح ہے، اور مجھے اصلاح کر لینی چاہئے۔" (الفرقان، نومبر، دسمبر ۱۹۷۹ء، ص: ۲۹)

اس پوری گفتگو کے پیش کرنے کا منشا یہ ہے کہ داڑھی کے مسئلہ میں صاف الفاظ کی تصریح کے باوجود اس کے لغوی معنی کا ہی پہلو...... جو اول وہلہ میں نگاہ کے سامنے آتا ہے، اوجھل ہو کر رہ گیا...... ایک صاحب نظر عالم کی تنبیہ کے بعد سمجھ میں آیا، اندازہ کیجئے کہ جو شخص ایک جزئی مسئلہ میں اتنا کھلا ہوا دھوکا کھا سکتا ہے وہ اصولی مباحث میں کَے قدم چل سکتا ہے، لیکن اس مبلغ علم پر ڈنکا پیٹ دیا گیا کہ مودودی صاحب مجتہد ہیں، اور مجتہد بھی ایسے کہ دین اگر کسی نے صحیح سمجھا ہے تو وہ موصوف ہیں ورنہ سب کا تصورِ دین ناقص و ناتمام تھا۔

دوسری مثال لیجئے! مودودی صاحب نے جب "خلافت وملوکیت" کی تحقیقات کا بیڑا اٹھایا اور اس سلسلے میں تالیفی مواد اکٹھا کرنا شروع کیا تو انھیں محسوس ہوا کہ تاریخ کی کتابوں میں صحابہ کی تنقید وتنقیص کے لئے مواد متفرق ومنتشر موجود ہیں، لیکن مشکل یہ تھی کہ محقق علماء سب کو صحیح وغلط کی کسوٹی پر پرکھ کر امت کے سامنے رکھ چکے ہیں، اس سلسلے میں اگر ان اہل تحقیق حضرات کا قدم آ گیا تو مودودی صاحب جو عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ بن نہ سکے گی، اس لئے

راستہ کا یہ سنگ گراں شروع ہی میں ہٹا دیتے ہین، لکھتے ہیں:

> ''یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی کی ''**العواصم من القواصم** ''امام ابن تیمیہ کی ''**منھاج السنة** ''اور حضرت شاہ عبد العزیز کی ''تحفۂ اثنا عشریہ'' پر انحصار کیوں نہ کیا، میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدت مند ہوں، اور یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہیں آئی کہ یہ لوگ اپنی دیانت وامانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں، لیکن جس وجہ سے اس مسئلہ میں میں نے ان پر انحصار کرنے کے بجائے براہ راست اصل ماخذ سے خود تحقیق کرنے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا، وہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں تاریخ کی حیثیت سے بیانِ واقعات کے لئے نہیں بلکہ شیعوں کے شدید الزامات اور ان کے افراط وتفریط کے رَد میں لکھی ہیں ، جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیلِ صفائی کی سی ہوگئی ہے، اور وکالت خواہ الزام کی ہو یا صفائی کی ، اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہے اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے۔'' (خلافت وملوکیت، ص: ۳۲۰)

ملاحظہ کیجئے ! مودودی صاحب نے بیک جنبش قلم ان محقق حضرات کی پوزیشن وکیل صفائی کہہ کر کمزور کر دی، پھر تو موصوف کو آزادی ملی اور گھٹیا سے گھٹیا، موضوع سے موضوع کوئی روایت تاریخ کے رَطب ویابس ڈھیر میں مل گئی، خواہ کسی ملحد وزِندیق کے واسطے سے آئی ہو، یا کسی بدترین رافضی کی سند سے، بشرطیکہ صحابہ کے خلاف ہو، موصوف اُٹھا لائے اور پیش کر دیا کہ فلاں صحابی کی سیرت میں

یہ داغ ہیں اور فلاں نے یہ معصیت کی، ان روایات کے قبول کرنے کے سلسلے میں اپنی شانِ تحقیق کو ذرا بھی زحمت دینا گوارا نہ کیا، نہ اپنی عقل ومنطق کو پکارا، نہ قرآن وسنت کو درمیان میں حائل ہونے دیا۔ اگر کہیں علماء علمی تحقیقات لے کر آگئے تو انھیں وکیل صفائی کہہ کر دھکے دیدیئے۔

اب دوسرا نقشہ ملاحظہ فرمایئے! آپ اصل کتاب میں پڑھیں گے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بیان فرمایا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راویٔ اول ہیں، امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح '' میں اسے جگہ دی، تمام راوی اس کے ثقہ اور معتبر ہیں، سند میں کوئی کمزوری نہیں ہے، بس ایک کمی اس میں یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مودودی صاحب سے مشورہ کر کے روایت نہیں کی، اب اس روایت کو موصوف کی عقل چونکہ قبول نہیں کرتی اس لئے نہ صرف یہ کہ ڈنکے کی چوٹ پر اس کی تردید کرتے ہیں، بلکہ ایسے گندے اور گھناؤنے انداز میں اس کا ٹھٹھا اُڑاتے ہیں کہ شرم وحیا اور غیرت وانسانیت کو پسینہ آجائے۔ (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۳۷)

کاش کوئی مودودی صاحب سے پوچھ لئے ہوتا کہ کیوں جناب! حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم پر غلط اتہام لگانے اور مہمل فردِ جرم قائم کرنے کے لئے آپ کی بے نظیر عقل نے واہی تباہی راویوں کی من گھڑت کیوں قبول کرنے میں پیش دستی دکھلائی، یہاں قرآن کی کسی آیت نے آپ کا دامن نہیں پکڑا کہ بندۂ خدا کیا غضب کرتے ہو، ان سے اللہ راضی ہے، تم ناراض ہو کر اور بدگوئی کر کے کیوں اپنا نامۂ اعمال کالا کر رہے ہو، یہاں کسی حدیث نے بھی آپ کی آستین نہیں کھینچی کہ اے رسول کے تیرہ سو برس بعد

پیدا ہونے والے امتی! حضور کے ان لاڈلوں کو گالی دے کر کیوں آپ کو تکلیف پہونچا رہے ہو، حضور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان حضرات سے رضامند اور مطمئن تھے، آپ کو کسی نے نہ ٹوکا، آپ تنقیدی حربے لے کر کھڑے ہو گئے اور ہر ایک کے خونِ آبرو میں اپنا قلم آلودہ کرلیا۔ آپ کو حضرت امیر المومنین عمر بن عبد العزیز کا قول بھی کہیں نہ ملا کہ ”صحابہ کے خون سے جب اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی زبانوں کو بھی اس میں آلودہ نہ ہونے دیں“ یہاں آپ کی عقل ومنطق لمبی تان کر سوگئی اور جب بخاری کی صحیح روایت قبول کرنے کا مسئلہ آیا تو آپ کو عقل کا ہیضہ ہو گیا، اور لگے اس کی دہائی دینے۔ ناظرین باتمکین! آپ سمجھے ایک جگہ عقل کی درازدستی اور دوسری جگہ کوتاہ دستی کیوں ہے؟ کسی اہل حق مصلح کی صحبت نصیب نہیں ہوئی جو کاٹ چھانٹ کر مہذب اور مؤدب بناتا، صحراء کے خودرو درخت ہیں جو شاخ جدھر اٹھی چلی گئی۔

یہ علمی وعقلی پیمانہ تھا، اب ذرا عمل کے زاویہ سے پیائش کرلی جائے تا کہ مودودی صاحب کا صحیح مقام متعین ہو جائے اور دوسروں کو عبرت ہو کہ آدمی جب کسی محقق ومصلح سے بے نیاز ہو کر میدان میں اترتا ہے تو نفس وشیطان کے ہاتھ میں کیسا کھلونا بن جاتا ہے، ایسا شخص آسانی سے نفس کی خواہشات سے جدا ہو کر شریعت کی حد بندیوں میں داخل نہیں ہوتا، شریعت کی پابندی کا خیال اس وقت اس کے دل میں انگڑائی لیتا ہے جب کسی خلافِ شریعت حرکت کے باعث معتقدین ومتوسلین کے ٹوٹنے اور بھاگ نکلنے کا اندیشہ ہو۔ مودودی صاحب کی داڑھی کے مسئلہ پر گفتگو ذہن میں رکھ لیجئے، پھر مولانا محمد منظور نعمانی کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے:

''یہاں افسوس کے ساتھ اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہوگیا ہے کہ اس گفتگو کے بعد بھی کم از کم چھ سات مہینے تک (جب تک کہ جماعت اسلامی کا دوسرا مشاورتی اجلاس لاہور ہی میں ہوا، جس کا ذکر آگے آرہا ہے) مولانا نے دونوں چیزوں (داڑھی اور سر کے بالوں) میں سے کسی کی بھی اصلاح نہیں فرمائی۔ (الفرقان، نومبر، دسمبر ۱۹۷۹ء، ص:۳۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مولانا امین احسن اور مولانا علی میاں بھی اس (لاہور کے دوسرے مشاروتی اجلاس) میں شریک ہوئے، اور جماعت کے کسی اجتماع میں ان دونوں حضرات کی یہ پہلی شرکت تھی، مودودی صاحب کی ظاہری ہیئت کے ان پہلوؤں میں جن کی اصلاح کا انھوں نے وعدہ کیا تھا خاطر خواہ تبدیلی نہ دیکھ کر مجھے سخت افسوس اور دکھ ہوا، میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلے میں اب میں خود ان سے کچھ نہ کہوں، اس لئے میں نے تنہائی میں مولانا امین احسن صاحب سے کہا کہ آپ ان چیزوں کی طرف اپنی طرف سے مولانا کو توجہ دلائیں تا کہ مولانا کو یہ محسوس ہو کہ صرف میں ہی ان اصلاحات کو ضروری نہیں سمجھتا ہوں، بلکہ مولانا اصلاحی جیسے قریب قریب انھیں کے طرز کے روشن خیال عالم بھی اس کو ضروری سمجھتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ لاہور سے رُخصت ہوتے وقت مولانا امین احسن صاحب نے میری موجودگی ہی میں مولانا مودودی اور ان کے رفیقوں سے جو وہاں مستقل ان کے ساتھ رہتے تھے بات کی اور کہا کہ میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر کر دینا امانت و دیانت کا تقاضا سمجھتا ہوں کہ یہاں آنے سے پہلے میں جتنا متاثر تھا یہاں آ کر اس میں کچھ کمی آئی ہے، آپ حضرات اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں کہ آپ ہی اس دیگ کے وہ

چاول ہیں جنھیں دیکھ کر کوئی شخص دیگ کے متعلق رائے قائم کرے گا۔‘‘
(الفرقان، نومبر، دسمبر ۱۹۷۹ء، ص: ۳۸)

مولانا نعمانی کے بیان کے مطابق مودودی صاحب نے اس گفتگو کے بعد داڑھی بڑھالی اور انگریزی بالوں کی بھی اصلاح کر لی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک مردِ مومن کی شان کیا ہونی چاہئے، اور مودودی صاحب نے ایمان اور اطاعت کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کیا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کی بات وضاحت کے ساتھ آجائے تو بلا لیت ولعل فوراً عمل پیرا ہو جائے، لیکن مودودی صاحب چھ سات مہینے تک نفسانیت کے جھولے میں جھولتے رہے پھر دوبارہ جب اللہ ورسول کی نہیں، دیکھنے والے اپنے جیسے انسانوں کی رائے اور غلط تاثر کی دہائی دی گئی تو کہیں اصلاح کی فکر پیدا ہوئی۔ یہ ایک داعیٔ دین کا حال ہے جو اللہ سے ڈر کر، اور رسول کے جذبۂ اتباع سے سرشار ہو کر نہیں بلکہ عوام کی رائے سے خوفزدہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے، کوئی بندۂ خدا ہمیں سمجھا دے کہ دین ودیانت اور اخلاص وللٰہیت کی یہ کون سی قسم ہے جس سے سرفراز ہو کر مودودی صاحب امت سے سب سے بڑے مجتہد اور عظیم مرد مومن قرار پائے، ہماری عقل میں اس کی توجیہ نہیں آتی، یہاں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ مودودی صاحب کی تبدیلی صرف صورت کی حد تک تھی، ورنہ داڑھی کے متعلق ان کا وہ نظریہ غالباً اخیر تک قائم رہا جو پہلے تھا، اسی بنا پر اپنی جماعت کو انھوں نے اس کی ترغیب نہیں دی، ترغیب کیا معنی؟ اس کی اہمیت اس حد تک گھٹا دی کہ شاید مسنون ہونے کا خیال بھی محو ہو گیا، چنانچہ نعیم صدیقی کا یہ بیان پڑھئے!

’’وہ گفتگو مجھے نہیں بھولتی جو ہماری ’’بزمِ تحریک‘‘ میں دَر آئی تھی اور داڑھی سے معنون ہوئی تھی، اس موقع پر مولانا نے کہا تھا ’’اصولاً داڑھی

> نظامِ دین میں نہیں آتی'' ان کے اس فرمودہ سے مجھ بے ریش کو اطمینان بھی ہوا اور استعجاب بھی! میں نے استفسار کیا، مولانا کیا داڑھی نہیں رکھنی چاہئے، تو انھوں نے کہا ''نہیں میرا مطلب یہ نہیں، رکھنی تو چاہئے لیکن اس کو دینی حلقوں نے جو اہمیت دے رکھی ہے وہ خود دین میں نہیں پائی جاتی۔'' (روزنامہ دعوت ''سیّد مودودی نمبر'' ص:٧٩)

یہ گفتگو اگرچہ مولانا نعمانی والی گفتگو سے پہلے کی ہے، تاہم نعیم صدیقی جیسے اکابر جماعت نے جو اس گفتگو کو من وعن بغیر کسی تفصیل کے تحریر کر دیا ہے، اس کا مطلب تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ داڑھی کو مولانا نعمانی سے گفتگو کرتے ہوئے ابتداءً مسنون فرمایا تھا، پھر وضاحت کے بعد مولانا کے خیال سے متفق ہو کر واجب تسلیم کر لیا، نیز چھ سات ماہ بعد اس پر عمل پیرا بھی ہو گئے، تاہم وہ فکری اعتبار سے ہنوز اسی مقام پر تھے جہاں وہ روزِ اول تھے، ورنہ تحریراً یا تقریراً کبھی تو اس کی ترغیب دی گئی ہوتی۔ آج بھی جماعت اسلامی میں شامل ہونے والے افراد کے چہروں پر اگر داڑھی نظر آتی ہے تو زیادہ تر وہی دور سے نظر آنے والی! اور اکثریت تو اس سے بھی بے نیاز ہو کے ''خضابِ آہنی'' ہی کو وظیفۂ صبح گاہی بنائے ہوئے ہے۔

حکم شریعت کو اپنی ذات پر نافذ کرنے سے مودودی صاحب کا ایک اور گریز ملاحظہ ہو، مولانا نعمانی ہی اس کے بھی راوی ہیں:

> ''میرے قیام پر دو چار ہی روز گذرے تھے کہ غالباً کسی رفیق جماعت کے ذریعہ یہ بات میرے علم میں آئی تھی کہ مولانا کا باورچی .... زنانخانہ میں کھانا پکاتا ہے، اور گھر میں اس سے پردہ نہیں ہے، اور یہ کہ دارالاسلام میں مقیم رفقاء پر اس کا اثر پڑ رہا ہے، پہلے تو میرا دل ودماغ اس

پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں ہوا، میں سوچتا تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے (مولانا کی کتاب ''پردہ'' اس سے بہت پہلے شائع ہوچکی تھی) لیکن بالآخر معلوم ہوگیا کہ واقعہ یہی ہے، اس واقعہ کے علم میں آنے نے مجھے ہلا کے اور جھنجھوڑ کے رکھ دیا، غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ اب تک جس ماحول میں میری زندگی گذری تھی اس میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کسی بھی درجہ کے تقویٰ اور دیندارانہ زندگی کے ساتھ ایسا بھی ہوسکتا ہے،

جماعت کے دستور میں صف اول کے ارکان کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ ''ان لوگوں کے لئے احکامِ شرعیہ کی پابندی کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ ہوگی، ان کو مسلمان کی زندگی کا پورا نمونہ پیش کرنا ہوگا، اوران کے لئے رُخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا۔ (حوالہ بالا ص:۴۱)

دوسری جگہ اس کی مزید تفصیل لکھتے ہیں:

میں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ کھانا پکانے کے لئے باورچی کی ضرورت ہے، لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ وہ زنانخانہ ہی میں پکائے اور گھر میں اس سے پردہ نہ کیا جائے، وہ مکان کے باہر کے حصے میں پکا سکتا ہے، مولانا نے یہ تو تسلیم کیا کہ یہ مُنکَر ہے، لیکن عذر یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ چور ہوتے ہیں، اس لئے مجبوراً گھر میں آنکھوں کے سامنے پکوانا پڑتا ہے، میں نے عرض کیا کہ یا تو چوری کا تھوڑا سا نقصان برداشت کیا جائے، یا پھر ایسا کیا جائے کہ بجائے موجودہ باورچی کے نذیر سے کام لیا جائے، اس کے بارے میں تو چوری یا خیانت کا شبہ نہیں ہوسکتا، (یہ نذیر غالباً ریاست کپورتھلہ کا ایک نوجوان تھا، ناتعلیم یافتہ یا بہت کم تعلیم یافتہ تھا، بہت نیک اور صالح تھا، جماعت سے متعلق تھا اسی لئے

> دارالاسلام میں آ گیا تھا، ہم لوگوں کا کھانا وہی پکاتا تھا، تواسی نذیر کے بارے میں میں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ کھانا پکوانے کے لئے بجائے اسمٰعیل کے نذیر کو ملازم رکھ لیجئے) اسمٰعیل ہم لوگوں کا کھانا پکایا کرے گا، مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نذیر کو کھانا پکانا نہیں آتا، اس سے کام نہیں ہوسکتا۔ (یہ واقعہ ہے کہ بے چارہ نذیر بہت اچھا کھانا پکانا نہیں جانتا تھا) حوالہ بالا، ص: ۴۶)

خیال رہے کہ اس وقت مولانا نعمانی دارالاسلام کے محتسب مقرر کئے تھے اور مامور کرنے والے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) مودودی صاحب دین حق کے داعی ہیں، صف اول کے لوگوں میں ہیں، تحریر وقلم کے بادشاہ ہیں، گفتار کے دھنی ہیں، لیکن غور کیجئے کہ گفتار اور کردار میں کتنا فاصلہ ہے، اچھا کھانا نہ ضروریاتِ دین میں ہے اور نہ طبعی حاجات میں، صرف نفس کی چاٹ ہے، اور پردہ شرعی حکم ہے، جس کو خود موصوف نے زور وشور کے ساتھ مدلل فرمایا ہے، اوران کی کتاب ''پردہ'' کی دھوم مچی ہوئی ہے، مگر اس شرعی حکم کو نفس کی خواہش کے سامنے گھٹنا ٹیک دینا پڑا۔

(۲) دوسرے یہ قابل غور ہے کہ دین کے داعیٔ اوّل ﷺ اور داعیٔ آخر کی زندگی میں کوئی مناسبت ہے، ایک کے یہاں نفس اور خواہش کی کشمکش کا سوال ہی نہیں، دوسرے کے یہاں اس کی حکمرانی ہے، احکام شریعت کی پابندی بندوں کے ڈر سے ہو تو ہو، اللہ کی رضا اور خوف کا دور دور پتہ نہیں، ہمیں کوئی بھلا آدمی سمجھا دے کہ جسے اتباعِ سنت کی ہوا بھی نہ لگی ہو کارِ تجدید کیسے انجام دے سکتا ہے، نفس کی اس حکمرانی کا راز کیا ہے؟ یہی! کہ مودودی صاحب نے اپنے نفس

کی خود ہی تربیت فرمائی ہے، کسی اللہ والے کا ہاتھ پڑا ہوتا تو کچھ اور نقشہ ہوتا۔ ایسا شخص زندگی کے ہر شعبے اور علم وعقل کے ہر زاوئے میں نفس کی گرفت سے نکل کر بآسانی شریعت کی حد بندیوں میں داخل نہیں ہوتا، اس کے لئے ریاضت ومجاہدہ کے الاؤ میں بہت عرصہ تک جلنا پڑتا ہے، اس کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو آگ کے اس دریا میں ڈوب کر گئے ہیں، ''سبکسارانِ ساحل'' تو اپنی خرمستیوں میں پڑے ہنستے ہی رہتے ہیں۔

اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مودودی صاحب کا لٹریچر پڑھنے سے اکثر وہ جذبات مضمحل ہوجاتے ہیں جو شریعت کے نزدیک مطلوب ہیں، اس میں فکرِ آخرت کو بھی شمار کیا ہے، یہاں کسی پڑھنے والے کو شبہ ہوسکتا ہے کہ موصوف تو بڑی بلند آہنگی کے ساتھ فکر آخرت کی دعوت دیتے ہیں، ان کے لٹریچر میں آخرت اور خدا کے ہاں جواب دہی کا ذکر بار بار بڑے جوش وخروش کے ساتھ آتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہی چیز ان کے ہاں غائب ہو، یہ بالکل صحیح ہے ہم بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں، لیکن ہم کیا کریں جب ہماری طبیعت لٹریچر سے جدا ہو کر اس جماعت کا عملی مشاہدہ کرنا چاہتی ہے جو اسی لٹریچر کی بنیاد پر اٹھی ہے تو ہمیں فکر آخرت اور احساسِ جوابدہی کے فقدان کا شدید احساس ہوتا ہے، صرف دنیا کی نوک پلک سنوارنے کی فکر میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں، اس کے برخلاف ہمیں ان اکابر کو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے جن کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھ کر آدمی کے اندر یہ فکر اتنی قوت کے ساتھ بیدار ہوتی ہے کہ زندگی کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے ہاں بلند بانگ دعوؤں اور لمبی لمبی ڈینگوں کے علاوہ عملی قوت صفر ہے، اور یہ تو آپ دیکھ ہی چکے کہ مودودی صاحب

نے اپنے اندر جو تبدیلیاں کیں ان کا محرک خوفِ خدا نہیں اور نہ فکرِ آخرت ہے، بلکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ جما جمایا نقشہ اکھڑ جائے گا، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فکرِ آخرت سے دور کا بھی نہیں، شریعت میں ''ریاء'' اسی جذبہ کو کہتے ہیں، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کس قدر مہلک اور خطرناک جذبہ ہے، حدیث میں اسے ''شرکِ خفی'' کہا گیا ہے۔

دورِ حاضر میں یہ بات قطعاً حیرت کا کوئی پہلو نہیں رکھتی کہ قول وعمل اور گفتار وکردار میں دور کا فاصلہ ہو، ہر شخص روزانہ انفرادی اور اجتماعی دونوں دائروں میں ہمہ وقت اس سے دوچار ہوتا رہتا ہے کہ دعویٰ نہایت شاندار اور دلیل کا سرے سے پتہ نہیں، جس دوکان میں جس پیمانہ پر ملاوٹ کا کاروبار ہو رہا ہو، وہاں اسی پیمانہ پر ''شدھ'' اور ''اصلی'' کا بورڈ لگا ہوا ہوگا، قول وعمل کا یہی تضاد تھا جس سے زخمی ہو ہو کر بہت سے اہل طلب مخلصین جو ابتداءً مودودی صاحب کے شریک کار نہیں دست وبازو تھے الگ ہونے پر مجبور ہو گئے، ایسے جراحت کشوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنھیں دیر سویر الگ ہونا ہی پڑا۔ اگر مودودی صاحب کو اُسوۂ نبوی کے اتباع کی کچھ بھی توفیق ملی ہوتی تو آغازِ کار ہی میں شکست وریخت کا یہ صدمہ انھیں سہنا نہ پڑتا۔

قیصرِ روم کے نام جب نبی کریم ﷺ نے والا نامہ بھیجا تو اس نے اپنے ملک سے آئے ہوئے عرب تاجروں کو طلب کیا، ابوسفیان جو ابھی کفر کی اندھیری سے نکل نہ سکے تھے، ان سے قیصر نے چند سوالات کئے تھے، سوال وجواب کے بعد قیصر نے ایک مفصل تقریر کی، اس کا ایک جملہ یہ تھا:

وسالتک أیرتد أحدٌ سخطة لدینه بعد أن یدخل فیه فذکرت أن لا وکذٰلک الایمان حین تخالط بشاشته القلوب۔

میں نے تم سے دریافت کیا کہ تم میں سے کوئی شخص دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہوکر اسے چھوڑتا بھی ہے؟ جواب میں تم نے بتایا کہ نہیں، درحقیقت ایمان کی شان یہی ہے، جب وہ قلب میں سرایت کر جاتا ہے، (تو نکلتا نہیں) (بخاری شریف، ج:۱، ص:۴)

رسول کی شان یہ تھی کہ کوئی شخص ان کے حلقے میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کا وسوسہ بھی دل میں نہ لاتا تھا، یہی حال ان اہل حق مشائخ کا بھی دیکھا گیا جنھیں اُسوۂ نبوی کے اتباع کی توفیق ملی ہے، ان کے پاس جو خلوص کے ساتھ سچا دل لے کر جا پہونچا وہ جدا ہونا تو درکنار جذب ہوتا ہی چلا گیا۔ اس کے برعکس مودودی صاحب کے حلقے سے مخلصین کی ایک بڑی تعداد متنفر ہوکر نکل گئی، ان جدا ہونے والوں کے بارے میں یہ سوچنا کہ یہ سب غیر مخلص تھے بڑی جسارت کی بات ہے، تاہم مودودی صاحب نے برسرعام ہانکے پکارے کہہ دیا کہ ان کی نیتوں میں صداقت نہ تھی، لیکن دوسروں کی عیب چینی کرنے والا خوب یاد کرلے کہ اس کی آبرو بھی سربازار لٹ کر رہے گی۔

بعض مصلحت بیں حضرات ہماری اس تنقید پر چیں بہ جبیں ہوں گے، ان کے خیال میں مودودی صاحب سے غلطیاں بے شک ہوئی ہیں، مگر انھوں نے اسلام کی کچھ مفید خدمات بھی انجام دی ہیں، بہت سے نوجوانوں کو الحاد ودہریت کے خوفناک غار میں گرنے سے بچالیا ہے، اس لئے ان پر اس درجہ تیز لب ولہجہ میں تنقید کرنا غلو سے خالی نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس خوش خیالی میں بہت سے اہل حق علماء کرام بھی ہوں گے، اور یہی وہ خوش خیالی اور حسن ظن تھا جس میں مبتلا ہوکر علماء کی ایک خاصی تعداد نے نہ صرف یہ کہ اپنے لئے خاموش رہنا پسند کیا بلکہ

تنقید کرنے والے اکابر پر نکتہ چینی فرماتے رہے۔ مودودی صاحب اور ان کی نومولود تحریک کی مخالفت میں ہمارے علم میں سب سے شدید شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہما تھے، ان دونوں حضرات کے قلوب پر اس تحریک کی حقیقت خوب واضح ہوچکی تھی، اس لئے وہ کسی نرمی اور مداہنت کے روادار نہ تھے، تحریک کے فدائین نے ان دونوں اکابر کو بہت بدنام کرنا چاہا، مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ البتہ مصیبت یہ ہوئی کہ حلقۂ دیوبند ہی میں بعض اہل قلم مودودی صاحب کی حمایت پر کمربستہ ہوگئے، اور حمایت نہیں تو کم از کم ان حضرات کی مخالفت کو وہ اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے، ان کے نزدیک اس جماعت میں اگرچہ ’’شر‘‘ موجود تھا، تاہم وہ ’’خیر‘‘ کا عنصر غالب سمجھتے تھے، علماء کی اس کشمکش میں یہ جماعت جڑ پکڑتی، پنپتی اور پھلتی پھولتی چلی گئی، بالآخر جب ہر روز نئے نئے قسم کے رنگارنگ شگوفے پھوٹنے لگے، مودودی صاحب کی جاہ پرست شخصیت حشرات الارض کی مانند پھیلے ہوئے بھانت بھانت کے لیڈروں کی طرح کبھی اس پہلو اور کبھی اُس پہلو کروٹیں بدلنے لگی، اور اسلام کا نام لے لے کر نئے نئے گل مسلسل کھلنے لگے جب جاکر ان مصلحت کوش حضرات کی آنکھیں کھلیں، اب انھیں بھی محسوس ہونے لگ گیا کہ یہ جماعت کس راہ پر سرپٹ دوڑی جارہی ہے، لیکن افسوس اس وقت یہ قافلہ بہت دور نکل چکا تھا، جس کی واپسی ناممکن نہیں مشکل ضرور ہے، ہاں جو لوگ شریک قافلہ نہیں ہوئے انھیں محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

جو حضرات مودودی صاحب کی خدمات کے مداح ہیں اور ان کا ذکر دیانۃً ضروری سمجھتے ہیں، ان کی خدمت میں ہم بہت ادب سے گزارش کریں گے

کہ اس دُنیا میں کوئی چیز محض ’’شر‘‘ نہیں ہے، اس کے اندر کسی نہ کسی زاویے اور گوشے سے خیر کی کوئی نہ کوئی کرن پھوٹتی نظر آئے گی، اس لئے اگر آپ خیال فرماتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تحریک اور لٹریچر میں اگر شر ہی شر موجود ہو جبھی اس پر تنقید کی جائے ورنہ ’’خیر‘‘ ہونے کی صورت میں اس کا لحاظ کرتے ہوئے ’’شر‘‘ سے چشم پوشی ضروری یا کم از کم مستحسن ہے، اگر واقعی یہی خیال ہے تو اسے شدید غلط فہمی اور عقل ومنطق کا بے جا استعمال ہی کہیں گے، آخر ابوجہل اور ابولہب میں کچھ نہ کچھ بشری خوبیاں موجود تھیں یا نہیں؟ رَدوقبول کا معیار درحقیقت یہ ہے کہ کسی فرد یا جماعت میں بحیثیت مجموعی شر کا غلبہ ہے یا خیر کا، جہاں نسبتاً بھلائی زیادہ ہو وہاں دوایک خرابیاں انگیز کی جاسکتی ہیں، لیکن اگر آوے کا آوا ہی بگڑا ہو تو اس کے کسی اچھے پہلو کا ذکر کرنا گویا برائی کی جانب دعوت دینا ہے، بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس کے لٹریچری انبار میں خود پسند دنیا کے لئے جذبۂ انا کی اچھی خاصی تسکین بھی موجود ہو۔

جماعت اسلامی کے بارے میں اب تمام محقق علماء حق متفق اور یک زبان ہوچکے ہیں کہ اس نے دین کے بنیادی اصولوں میں تحریف کرڈالی ہے، صحابہ وأسلاف پر جمے جمائے اعتماد کو مجروح کرکے رکھدیا ہے، عبادات کو وسائل اور حصولِ اقتدار کو مقصد بنا کر دین کی شاہراہ ہی موڑ دی ہے، تصوف کی مخالفت اس کا نصب العین بنی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ جس مذہب میں یہ چیزیں اصولی اور اساسی قرار پاچکی ہوں اس پر آپ چاہیں تو اسلام کے ہزار نمائشی لیبل چسپاں کردیں، تاہم وہ اسلام نہیں، بلکہ اسی نام کا اسی سے ملتا جلتا ایک نیا دین ہے۔ مودودی صاحب کی تمام تر تصنیفات ’’تفہیم القرآن‘‘ سمیت اس نئے دین کی

طرف دعوت دے رہی ہیں، ان کی پوری تحریکی زندگی اسی محور پر گھومتی رہی ہے، ہم آپ ہی سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس کے بعد یہی کیا جائے گا کہ انھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی خدمت کی ہے، اگر اب بھی ہمارے روشن خیال حضرات کا یہی خیال ہے تو

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے؟

ہر شخص جانتا ہے کہ مقصد کی تبدیلی اصل شے ہی کو بدل کر رکھ دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے دین کے بنیادی مقاصد یہ بتائے ہیں کہ:

بنی الاسلام علیٰ خمسٍ، شهادة أن لاإلٰه إلاالله وإقام الصلوٰة وإيتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحج البيت إن استطاع سبيلاً۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، توحید کا اقرار، اقامت نماز، اداء زکوٰۃ، صوم رمضان اور بشرطِ استطاعت حج بیت اللہ۔

یہ دین محمدی کی بنیادی چیزیں ہیں اور مودودی صاحب نے جس مذہب کا نقشہ پیش کیا ہے اس میں بنیادی اینٹ تحصیل حکومت ہے، اس اساسی فرق کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی خدمات کا محور دین محمدی ہے، اس اصولی گمراہی کے ہوتے ہوئے مودودی صاحب کی کسی خوبی اور صلاحیت کا ذکر اور ان کی مدح سرائی درپردہ ان کی گمراہی کی طرف اپنی ہی زبان وقلم سے دعوت دینے کے مترادف ہے، ہم اس طرزِ فکر کے ہرگز قائل نہیں ہوسکتے کہ جانتے بوجھتے امت مسلمہ کو ایک گمراہ تحریک کی جانب متوجہ کرنے کی راہ اختیار کی جائے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی گمراہیوں کا نقشہ تقابلی صورت میں مختصراً پیش کردیا جائے۔

اسلام (مسلک اہل سنت)	اسلام (مسلک مودودی)
(۱) اسلام کا مقصد: اقرار توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔	حصول اقتدار
(۲) نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، مقاصد ہیں	مقاصد نہیں، حصولِ اقتدار کے وسائل ہیں
(۳) انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔	عصمت جدا بھی ہوسکتی ہے، بالفاظِ دیگر معصوم نہیں ہیں،
(۴) صحابہ تمام عادل ہیں۔	سب صحابہ عادل نہیں ہیں۔
(۵) ائمہ واسلاف دین حق پر قائم تھے	اسلام سے انحراف کر گئے تھے، اسلام کو سمجھا تک نہ تھا۔
(۶) کسی حدیث کی صحت کیلئے ائمہ حدیث کی متعلقہ شہادت کافی ہے۔	کافی نہیں ہے، بلکہ مودودی صاحب کی عقل وفہم کا لحاظ بھی ضروری ہے۔
(۷) حصول احسان کیلئے تصوف کے چاروں سلسلے (چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) برحق ہیں۔	تصوف غلط چیز ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے،
(۸) عربی مدارس تحفظ اسلام کے لئے ضروری ہیں۔	ہرگز نہیں، بلکہ آثارِ قدیمہ کی نشانی ہیں۔
(۹) اسلامی تاریخ میں کہیں انقطاع نہیں۔	ایک طویل عرصہ ایسا گذرا ہے کہ کسی نے صحیح طور پر اسلام کو نہیں سمجھا۔
(۱۰) دین، الٰہ، رب، عبادت کے حقیقی مفہوم ہمیشہ ٹھیک سمجھے گئے۔	دورِ صحابہ کے بعد سے مودودی صاحب تک کسی نے بھی ان چاروں کے معانی نہیں سمجھے۔

یہ دس امور ہم نے سرسری طور پر ذکر کئے ہیں، جزئیات تو بہت ہیں، معمولی سمجھ رکھنے والا بھی اتنے ہی سے اندازہ کرلے گا کہ مودودی صاحب سے

ہمارا اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے، اور ہمارے نزدیک وہ قطعاً گمراہ ہیں، اور ان کی جماعت کے خودرَو مصنفین اور قتیل انانیت مجاہدین تو ان سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ ہماری اس سخت تنقید کو گوارا سمجھا جائے گا۔

مضمون کے خاتمہ پر ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے، آپ کی شہرت ومقبولیت گو بہت پہلے ہی سے تھی، تاہم جب سے الہ آباد کو آپ نے اپنے قیام سے شرف بخشا، آپ کا حلقۂ ارادت پھیل کر پورے ملک پر محیط ہوگیا۔ اکابر علماء نے آپ کی بارگاہِ عظمت پر سر جھکانا اپنا اعزاز سمجھا، شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے امت کی نباضی میں خاص حذاقت اور اصلاح کا بھرپور جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ کی جلالت شان پر تمام اکابر وقت متفق تھے، ہر طبقے کے افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیراب ہوکر گئے، چنانچہ جماعت اسلامی ہند کے سابق امیر مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی بھی بار بار حاضر خدمت ہوئے، پہلی مرتبہ حاضری کے موقع پر انھوں نے عرض کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں۔ مولانا کا یہ مخصوص انداز تھا کہ اہل علم حضرات کو...... جو آپ سے بیعت واصلاح کا تعلق نہ رکھتے تھے...... براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے ان کے حسب حال کسی معتبر کتاب سے کوئی مضمون پڑھ کر سنا دیتے۔ چنانچہ موصوف امیر جماعت کی درخواست کے جواب میں آپ نے فیض القدیر للمناوی شرح جامع صغیر للسیوطی سے ایک حدیث نکال کر شرح سمیت سنائی۔ حضرت عمر ؓ اس کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أخوف ما أخاف علیٰ أمتی کل منافق علیم اللسان۔

مجھے اپنی امت پر جن چیزوں سے اندیشہ ہے ان میں سب سے خوفناک

چیز ''منافق علیم اللسان'' ہے۔

اس کی شرح میں علامہ عبدالروؤف مناوی لکھتے ہیں:

(کل منافق علیم اللسان) ای عالم العلم منطلق اللسان به لكنه جاهل بالقلب والعمل فاسد العقيدة يغر الناس بشقشقة لسانه فيقع بسبب إتباعه خلق كثير فى الزلل............ وسبب تحديث عمر بذٰلک أن الاحنف سيدأهل البصرة كان فاضلاً فصيحاً مفوهاً فقدم علىٰ عمر فحبسه عنده سنةً ياتيه كل يوم وليلة فلا ياتيه عنه إلا مايحب ثم دعاه فقال تدرى لم حبستک عنى قال لا قال إن رسول الله ﷺ حدثنا فذكره ثم قال خشيت أن تكون منهم فالحمدلله ياأحنف وفى روايةٍ لابن عساكر أنه قدم عليه فخطبه فأعجبه منطقه فحبسه سنةً يختبره ثم قال كنتُ أخشىٰ أن تكون منافقاًعليم اللسان وأن رسول الله ﷺ حذرنا منه وأرجو أن تكون مومناً فارجع إلىٰ مصيرک.

منافق علیم اللسان یعنی علوم سے واقف، زبان کا تیز لیکن دل کا جاہل، عمل سے کورا، عقیدہ کا فاسد! کہ لوگ اس کی فصاحت وبلاغت اور چرب زبانی کی وجہ سے غلط راہ پر لگ جائیں، اور اس کے اتباع میں ایک بڑی مخلوق گمراہ ہوجائے، حضرت عمرؓ نے یہ حدیث جو روایت کی اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ اہل بصرہ کے سردار احنف بڑے فصیح وبلیغ اور قادرالکلام عالم تھے، ایک بار وہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر نے ان کو اپنے پاس سال بھر کیلئے روک لیا، رات دن میں ایک بار ملاقات فرماتے۔ اس دوران ان میں کوئی بات

ناپسندیدہ نہیں دیکھی۔ سال گزرنے کے بعد ان کو بلا کر فرمایا تمھیں پتہ ہے میں نے تم کو کیوں روک لیا تھا، عرض کی کہ نہیں، کہنے لگے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، پھر وہی حدیث ذکر کی، پھر فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہ تم منافق علیم اللسان ہی کے طبقے سے ہو۔ اب اللہ کا شکر ہے اے احنف، ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ احنف حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں انھوں نے ایک تقریر کی، حضرت عمر کو ان کی تقریر پسند آئی، پھر انھیں امتحان کیلئے اپنے پاس سال بھر تک روکے رکھا، اور بعد میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ تم ''منافق علیم اللسان'' ہو اور حضور نے ہمیں ایسے شخص سے ڈرایا ہے، اب مجھے امید ہے کہ تم مخلص مومن ہو، اپنے وطن لوٹ جاؤ۔

جو لوگ مودودی صاحب کی زبان وادب، انشاء پردازی اور زور قلم نیز قادر الکلامی اور فصاحت وبلاغت پر فریفتہ ہیں، اور تعبیر وتقریر کی خوبی پر اس طرح ریجھے ہوئے ہیں کہ صرف اسی کمی کے باعث ان کے نزدیک دوسرے علماء کی خوبیاں ہیچ در ہیچ ہین، وہ اس حدیث اور اس کی شرح بغور ملاحظہ کریں، اور دیکھ لیں کہ فصاحت وبلاغت اور قادر الکلامی کی داد حضرت عمر کے دربار سے کیسی انوکھی ملتی ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں کیا فرما گئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق پر قائم رکھے، آمین

اعجاز احمد اعظمی

مدرسہ وصیۃ العلوم، الہ آباد

۹ رصفر ۱۴۰۰ھ

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله القوی القادر، المنتقم الغافر، الاول والاٰخر، الباطن والظاهر، وأشهد أن لاإلٰه إلاالله من یستحق المحامد والمجد الباهر وأشهد أن سیدنا محمدن المبعوث بأعلی المفاخر وأسنی المآثر، فأللّٰهم صلّ وسلّم وبارک علیه وعلیٰ آله وصحبه أولی المعالی والفضل السائر وعلیٰ من اهتدیٰ بهدیهم الطاهر ومن ذب عن الدین بالالسنة والاقلام والمحابر علیٰ روؤس الأشهاد وعلی المنائر والمنابر ماانهل کل صوب مالحر وماتحلق فی جو السماء کل طائر. أمابعد!

پیش لفظ

پچھلے دنوں میں نے ایک مختصر رسالہ عام اہل عرب کی خدمت میں بالعموم اور حضراتِ علماء کی خدمت میں بالخصوص (بطور خاص) پیش کیا تھا، مقصد یہ تھا کہ جو حضرات دین کی قدر و قیمت جانتے ہیں اور حق وصداقت کی وقعت واہمیت سمجھتے ہیں، وہ ایک ایسے رجل (شخص) کے بارے میں غور وفکر کر کے رائے قائم کریں، جس کے باب میں عوام تو عوام خواص تک غلو کا شکار ہو گئے ہیں حالانکہ وہ شخص ایسا ہے کہ صراطِ مستقیم سے منحرف ہو کر اِلحاد کے قریب پہونچ گیا ہے، اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کے اکابر تک فکر ونظر کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، ان کی نگاہیں اس شخص کی گمرہی، کج فکری اور جہل والحاد تک نہ پہونچ سکیں، جو جا بجا اس کی کتابوں اور مضامین میں موجود ہیں، یہ چیز ایک بڑے فتنہ کا دروازہ بن گئی ہے اور عوام کی ایک بڑی جماعت جس کا تعلق دین اور علم دین سے بس نام کا تھا، فریب میں مبتلا ہو گئی۔

میں نے رسالہ کی تالیف اور حقیقت کا انکشاف بہت استخاروں کے بعد کیا ہے، اس موضوع پر قلم اٹھانے سے عرصہ تک طبیعت میں رُکاوٹ رہی، کیونکہ بہر حال اس شخص سے کسی درجہ میں جدید نسل کو...... جو دینی لحاظ سے بہت دور اور خطرناک کنارے پر پہونچ چکی ہے...... کچھ فوائد پہونچ رہے تھے، کبھی کبھی بعض مخلصین بھی اس کام سے باز رکھتے تھے کہ حالات ابھی مناسب نہیں ہیں۔ اس کام کے لئے بہت سے علماء اور خطیب تیار ہو چکے ہیں جنھیں زبان وبیان کی قوت

وشوکت حاصل ہے وہ علی الاعلان مودودی صاحب کے فکر ونظر کی کجی بیان کرتے رہتے ہیں، انھیں وجوہ سے میں ۳۰؍سال تک پس وپیش میں رہا اور نقد واحتساب کی جانب قدم اُٹھانے سے ہچکچاتا رہا، یہاں تک کہ اب دنیا سے کوچ کا وقت قریب آچکا، اور بقول عربی شاعر کے معاملہ کچھ ایسا ہے کہ

قرب الرحیل إلیٰ دیار الآخرة
فاجعل الٰهی خیرعمری آخرهٗ

دارِ آخرت کی جانب کوچ کا وقت قریب ہے، اے اللہ میری عمر کا عمدہ ترین حصہ آخری ساعات کو بنا۔

نیز اگر ہمارے یہ صاحب ہم سے پہلے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے، اور ان کی وفات کے بعد ہم ان پر تنقید کریں گے تو لوگوں کو کہنے کا موقع ملے گا کہ ان کی زندگی میں تو بولنے کی ہمت ہوئی نہیں، اب زبان کھلی ہے اور گڑے مردے اکھاڑنے چلے ہیں۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید زندگی کے آخری وقت میں نقد ومواخذہ، نصیحت پذیری کے لئے زیادہ مؤثر ثابت ہو، اور ممکن ہے رجوع وانابت کی توفیق حاصل ہی ہوجائے، کیونکہ حیاتِ دنیا کا بازپسیں اور حیاتِ آخرت کی آمد بجائے خود برائیوں سے روکنے اور کج روی سے باز رکھنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے، اور موت کا قرب، توبہ وانابت پر آمادہ کرنے والی بہترین شے ہے، اس بنا پر استخاروں اور طویل غور وفکر کے بعد خالص اللہ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے حریم دین کی پاسبانی کی نیت سے نقد وتبصرہ کے لئے کمربستہ ہوگیا، اس سلسلے میں میرے پیش نظر کوئی دُنیوی مفاد نہیں ہے، اور آدمی کی بدبختی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ عمر کے ستر سال گذر جانے کے بعد بھی اللہ کی ناراضگی اور غضب کے اسباب سے باز نہ آئے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی جماعت کے پاس مالی وسائل کی کثرت ہے، ان کے قبضے میں اخبار ورسائل ہیں، قرطاس وقلم کی طاقت ہے، ان کے حامی ومددگار بہت ہیں، ان کے زیر انتظام انجمن اور ادارے ہیں، ان کی تنظیمی قوت تو اس درجہ زبردست ہے کہ اچھے اچھے لوگ حیران ہیں، کتنے ہی پاکستانی، ہندوستانی اور عربی ہیں، نیز کتنے ہی جاہل وگمراہ صحافی ہیں جو ان کی ظاہری آب وتاب اور بلند بانگ دعووں سے مسحور ہیں، ان میں سے بعض مختلف انداز اور مختلف اسالیب بیان میں قلم وزبان کی بازیگری دکھاتے رہتے ہیں، اور مقصد سوائے حصول مال وجاہ کے کچھ نہیں ہوتا، (حصول) زر کے لئے شہر شہر پھرتے رہتے ہیں، اور نوع بنوع کے عنوانات بالکل جھوٹے اور پُر فریب کام میں لاتے رہتے ہیں، انھیں نہ اللہ کا کچھ ڈر ہے اور نہ یوم حساب کا کچھ اندیشہ، نہ خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس، اس طرح کے لوگ عیب جوئی اور بدگوئی میں زبانیں دراز کریں گے، اور ان کے قلم بہتان طرازی میں مصروف ہوں گے۔ اللہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ فرمائے، یا پھر اپنے فضل سے راہِ حق کی جانب رہنمائی کرے۔ **وسیعلم الذین ظلموا أی منقلبٍ ینقلبون۔**

کسی نے خوب کہا ہے ؎

إن للہ عباداً فطنا   طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
اللہ کے کچھ سمجھدار بندے ہیں، جنھوں نے فتنوں کے ڈر سے دنیا کو طلاق دیدی
نظروا فیھا فلمّا علموا   أنھا لیست لحیّ وطنا
انھوں نے اس میں غور کیا پس جب سمجھ لیا کہ یہ کسی زندہ کا وطن نہیں ہے
جعلوھا لجةً واتخذوا   صالح الاعمال فیھا سفنا
تو اس کو دریا قرار دیا، اور اعمال صالحہ کو کشتی بنالیا۔

خلاصہ یہ کہ میں اب اس امر میں عجلت کر رہا ہوں، اللہ سے امید ہے کہ مجھے اپنے مقصود کو پورا کرنے کی توفیق ہوگی، اور مودودی صاحب کو اتنی حیات ملے گی کہ میری معروضات ان کے کانوں تک پہونچ جائیں، شاید پچھلی غلطیوں سے رجوع کرلیں اور راہ راست پر چل پڑیں۔ یہ میری سعادت ہوگی کہ اس ذریعے سے وہ راہِ حق پر گامزن ہوجائیں اور ضلالت وگمراہی سے نکل جائیں جس سے عقلاء حیران ہیں، یا جولوگ ان کے فضل وکمال پر فریفتہ ہیں، انھیں ہی کچھ تنبہ ہواوران کی کج روی سے اظہارِ برأت کردیں۔ **واللہ یھدی من یشاء إلیٰ صراطٍ مستقیم۔**(۱)

☆☆☆☆☆☆☆

---

(۱) اس کتاب کے دونوں حصے الگ الگ شائع ہوئے تھے، اس جگہ پر مصنف علیہ الرحمہ نے جلداول کے دسوں مباحث کا خلاصہ درج کیا تھا، جس کے ترجمہ کا عنوان ''سابقہ معروضات ایک نظر میں'' تھا۔ اب چونکہ دونوں حصوں کا ترجمہ ایک جلد میں شائع ہورہا ہے اس لئے اس خلاصہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اوراسے حذف کردیا گیا ہے۔

تفہیم القرآن پر انتقاد

اب اس دوسرے جزء میں مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے کچھ اقتباسات، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کے گمراہ کن نظریات پیش کرنے کا قصد ہے، کچھ باتیں ان کی اور تالیفات سے لی جائیں گی، جن سے ان کے فسادِ اعتقاد کا مزید کچھ اندازہ ہوگا۔

ان اقتباسات میں بعض نمونے تو ایسے ہیں جن سے ان کی بدفہمی اور جہالت ٹپکی پڑتی ہے، اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان گہرائیوں میں اترنے اور اس سمندر میں غواصی کرنے کی استعداد ان میں قطعاً نہیں ہے، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی جاہ پرستی ہر چیز میں اظہارِ مہارت کے لئے بے چین رہتی ہے، ان کی بڑی خواہش یہ ہے کہ لوگ دین ہو یا سیاست ہر میدان میں ان کی لیڈری اور زعامت تسلیم کرلیں، کاش ان میں یہ صلاحیت ہوتی۔ ایک اخبار نویس اور ایڈیٹر جو فقط اردو انشاء پردازی کا ملکہ رکھتا ہے، نہ علماء سے حصول علم کیا، اور نہ صالحین کی صحبت سے مستفید ہوا، چاہتا ہے کہ آسمان علم کی وسعتوں میں اُڑان بھرے، اور اُڑان بھی ایسی کہ اوائل واواخر سب اس کے پیچھے رہ جائیں۔ یہ شخص جب دینی مسائل میں داخل ہوتا ہے تو اپنے تئیں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ امام ابن دقیق العید، شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسے اکابر پر فوقیت لے گیا، اور میدانِ سیاست میں گھستا ہے تو اسے حضرت عثمانؓ، عمر بن عبدالعزیز، خلفاء بنی امیہ وبنی عباس اور

بعد کے تمام ملوک وسلاطین سب پر تفوق وبرتری کا احساس ہونے لگتا ہے، اور جب تقویٰ وخوف خدا کے خلوت کدے میں پہونچتا ہے تو شاید حضرت داؤد وسلیمان، حضرت موسیٰ ویونس، بلکہ خود سیّد العالمین محمد علیہ وعلیہم صلوٰت اللہ وسلامہٗ کو بھی اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ اللہ اللہ یہ ادعاء، یہ خود بینی اور یہ زعم باطل، افسوس صد افسوس!

لأی رزایا الدھر فیہ لعاتب
وأی رزایا بوتر نطالب

زمانے کو اس کی کن کن ہلاکت خیزیوں پر ملامت کریں، اور کن کن مصائب کے بدلے کا مطالبہ کریں۔

مصائب شتیٰ جمعت فی مصیبةٍ
ولم یکفھا حتیٰ تفتھا مصائب

ایک مصیبت میں کتنی مصیبتیں جمع ہیں، ابھی ایک سے خلاصی نہ ہوئی تھی کہ اسکے پیچھے لگاتار مصیبتیں آ گئیں۔

رنج کی بات یہ ہے کہ ان کی جماعت کے افراد یہ ناگوار مباحث پڑھتے ہیں، اور کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں کہ یہ شخص پیغمبروں پر، امہات المومنین، صحابہ پر بے دھڑک تنقید واعتراض کرتا ہے اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، اور نہ ان کی کوئی رَگ پھڑکتی، سنتے ہیں اور خاموش رہتے ہین۔ مزید یہ کہ اگر ان کے لیڈر جناب مودودی پر کوئی تنقید کردی جاتی ہے تو غیظ وغضب کے انگارہ بن جاتے ہیں اور چیخ وپکار کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ **إنا للہ وإنا إلیہ راجعون**

خدا گواہ کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، اور مرض لاعلاج ہو گیا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو مجھے ہرگز گوارا نہ تھا کہ ان ہفوات وخُرافات کے انکشاف میں مشغول ہوتا، کیونکہ وقت قیمتی اور اہم ہے، زندگی کی فرصت ختم ہوا چاہتی ہے اور

بہت سے دینی مسائل اس سے بڑھ کر محتاجِ خدمت ہیں جتنی کہ خشک زمین بارش وسیرابی کی، مگر یہ بھی ہے اس جیسے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلے میں دینی عمارت کی حفاظت ساری خدمت سے مقدم ہے، کیونکہ دفع مضرت، حصول منفعت سے زیادہ اہم ہے، اور فتنہ بڑھ اور چڑھ چکا ہے، اور جہالت کا قلم حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

تفہیم القرآن کے متعلق غلو اور اس کے نتائج:

جماعت اسلامی کا غلو اس کتاب کے متعلق اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کی ہم پایہ کوئی دوسری تفسیر نہیں شمار کرتے، اور مؤلف کو اپنے رنگ کا پیش رو سمجھتے ہیں، اور اب تو اس کا عربی وانگریزی زبانوں میں ترجمہ ہونے لگا ہے، اور جدید عربی نسل جو دینی علوم سے بہت دور جا پڑی ہے، جب اس کی قرآن فہمی کا مدار اسی جیسی تفسیر پر ہوگا تو دینی شعور کے عواقب وانجام کیا ہوں گے؟ پھر اس میں جماعت کے اس ادعاء باطل کو بھی شامل کر کے دیکھئے کہ ”مودودی صاحب تمام مفسرین پر سبقت لے گئے“ نیز دوسرے اربابِ تفسیر واسلاف امت کی تحقیر وتنقیص بھی ملا لیجئے، پھر خدارا بتائیے، ان نوجوان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو اس تفسیر پر فریفتہ ہیں؟

دین کیا ہے؟ اللہ ورسول، کتاب اور ائمۂ مسلمین کی بہی خواہی وخلوص!
پس ایسی حالت میں سکوت ناقابل انکار جرم ہے، اور غالبًا ایسا گناہ جس کی بخشش نہ ہو سکے، اس لئے ہم نے بھی اللہ کی توفیق سے یہ عزم کیا ہے کہ ان کی تفسیر پر پڑے ہوئے پردے اٹھا دیں، جن کی وجہ سے نگاہیں صحیح حقائق کا ادراک نہیں کر پا رہی ہیں، اس سلسلے میں فقط چند نمونے پیش کئے جائیں گے، تمام تر غلطیوں

کے استیعاب کا ارادہ نہیں۔ گویا یہ چند قطرے ہیں جو تیز موسلا دھار بارش کا پتہ دے رہے ہیں، علاوہ ازیں ہمارا یہ اقدام ایک طرح سے ان کے امر کا امتثال بھی ہے، انھوں نے ''تفہیم القرآن'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

> '' علماء کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں۔'' (تفہیم القرآن، ص:۶)

اس امر کا امتثال بھی مقصود ہے کہ ان کی اغلاط وہفوات پر تنبیہ کر دی جائے، تاہم میں یہ بھی صراحۃً عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ انھیں تفسیر قرآن کرنے کا استحقاق نہیں ہے، اس کارِ عظیم کی جسارت کرنا ان کے لئے مناسب نہ تھا۔ اللہ نے ہر علم وفن کے لئے مخصوص افراد بنائے ہیں، مودودی صاحب کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں، کاش وہ سمجھتے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ کاش وہ اپنی لغزش قلم بلکہ گمراہی وضلالت سے رجوع کر لیں، تاکہ اہل حق کو اس تنقید واعتراض سے فرصت مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه۔

آدمی کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ لایعنی سے پرہیز کرے۔

کسی کا قول ہے کہ:

من حسن عقل المرء أن لا يدخل فيما لايحسنه۔

عقل انسانی کا کمال یہ ہے کہ جس میں آدمی کو مہارت نہ ہو اس میں نہ گھسے۔

مودودی صاحب کی تحریک وتفسیر کے اثرات:

مودودی صاحب کی کتابوں بالخصوص ان کی تفسیر کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کرنے والے کا تعلق اگر پہلے سے دین کے ساتھ، دین

لانے والے کے ساتھ، اور دین کو ہم تک پہونچانے والے حضرات صحابہ وتابعین اور اسلافِ امت کے ساتھ بہت گہرا اور مستحکم نہ ہوا تو یقیناً اس پر ذیل کے گمراہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔

پہلا تاثر:

پہلا اثر تو یہ ہوگا کہ جس طرح ہمیشہ مختلف انداز سے تحریکیں اٹھتی رہتی ہیں، ایسے ہی اسلام بھی ایک تحریک ہے، یہ تحریک ایک شخص نے برپا کی۔ اس کے ساتھ معاونین کی ایک جماعت شامل ہوگئی جس نے اس کی نصرت کی، اس کے نتیجے میں بڑی تیزی کے ساتھ یہ تحریک کامیاب ہوئی، مگر پھر اسی سرعت کے ساتھ اس میں ضعف وخلل بھی راہ پانے لگ گیا، تحریک کے قائدین اسے سنبھال نہ کے، اور اس کے بقاء ودوام سے عاجز ہوگئے، بالآخر اصلی تحریک کا نام ونشان مٹ گیا اور کہیں اس کے نشان وآثار باقی نہ رہے، البتہ اب ایک مدت دراز کے بعد مودودی صاحب کا ظہور ہوا، اور انھوں نے اس کی تجدید واحیاء کا فریضہ انجام دیا۔

دوسرا تاثر:

رسول اللہ ﷺ جیسے اور انسان ہوتے ہیں ایسے ہی آپ بھی ایک بشر تھے، غور وتدبر کرتے۔ کبھی غلطی کر جاتے اور کبھی درست سوچتے، کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔ کبھی فتح وظفر اور غلبہ حاصل کر لیتے اور کبھی ہزیمت وشکست سے دوچار ہوتے، جیسا کہ دیگر ملوک وسلاطین کے یہاں ہوتا رہتا ہے کہ فتح وہزیمت دونوں ہی کا مزہ چکھتے رہتے ہیں، پھر اثناء گفتگو میں آپ کو نبی ورسول بھی کہتے جاتے ہیں، بیچ بیچ میں آپ کی تعریف وتوصیف بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن وہ مرکزی نقطۂ نظر جو جابجا نمایاں ہوتا رہتا ہے

وہ یہی ہے کہ آپ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، ہاں آپ کی شخصیت عبقری شخصیت تھی، گویا اس تحریک اور اس نبی آخر الزماں کے ساتھ نہ کوئی معبود تھا، جو اس کی تائید وحمایت کرتا، نہ کوئی رب تھا جو اس کی نصرت واعانت کرتا، وہاں اس کی امداد کے لئے نہ کوئی فرشتہ نازل ہوتا تھا، نہ غلبہ ونصرت کی کوئی آسمانی تدبیر ہوئی اور نہ فتح وظفر کے واسطے کوئی غیبی تکوینی انتظام ہوتا تھا۔

سوچو کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کا یہ تاثر ہے، اور آپ کے متعلق ان کے دل میں یہ نقش جما ہے تو باقی انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کا کیا خیال وگمان ہوگا؟ پھر کیا تعجب ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام ان کے نزدیک فریضۂ نبوت میں کوتاہیاں کرنے والے ہوں، اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک عورت کی محبت میں مغلوب ہوکر اس سے نکاح کرنے کی خواہش میں اس کے شوہر اوریا سے طلاق حاصل کرنے کا حیلہ کرتے ہوں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان خیال میں جلد باز فاتح ہوں۔ إنا للہ

تیسرا تاثر:

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب بھی عام لوگوں کے مثل بشر تھے، ان کے دل حب دنیا کے مریض اور جاہ وثروت کے اسیر تھے، اور بالعموم حکام وسلاطین کے ہاں جو انتظامی طریقے ہوا کرتے ہیں انھیں کو صحابہ اختیار کرتے تھے، ان سے خلافت راشدہ کا نظامِ حکومت بھی چند سالوں سے زائد سنبھالا نہ جاسکا۔ سب سے پہلے تغیر وترمیم اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت چھوڑی، حضراتِ شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے اُسوہ سے انحراف کیا، اور نظامِ خلافت میں ایسی دشواریاں اور مشکلات چھوڑ گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس

کی اصلاح پر قادر نہ ہو سکے، پھر بنی امیہ کے خلفاء یکے بعد دیگرے اس میں ترمیمات کا دائرہ وسیع کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا خلیفہ راشد بھی ان کی اصلاح ودرستگی میں ناکام رہا، وہ شرعی اَساس پر حکومت عادلہ برپا نہ کر سکے، مودودی صاحب کے کھینچے ہوئے نقشہ کو دیکھ کر یہ تاثر ہوتا ہے کہ ان خلفاء نے نہ تو ممالک فتح کئے، نہ نظامِ جہاد قائم کیا، نہ دین کی کوئی خدمت کی اور نہ ہی دین کی روح کو سمجھا، تا آنکہ ''**الاستاذ المودودی**'' تشریف لائے اور انھوں نے تجدید احیاءِ دین کا کارنامہ انجام دیا۔

چوتھا تاثر:

یہ کہ اب تک قرآن کریم کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں اور تفسیریں لکھی گئی ہیں، وہ ایسی خشک اور بے مغز ہیں کہ ان کے پڑھنے سے نہ روح کو وجد آتا، نہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے، نہ آنکھوں سے آنسو ابلتے، اور نہ جذبات میں کوئی تحریک پیدا ہوتی، تنہا مودودی صاحب کی ''تفہیم القرآن'' کو یہ رُتبہ ومقام حاصل ہے کہ اس کے مطالعہ سے آنکھیں ڈبڈبا آئیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں، جذبات کی گرمی سے دل پگھل جائیں، جگر پاش پاش ہو جائے، قلوب میں حرکت واہتزاز پیدا ہو اور دماغوں پر ایک خاص سرمستی چھا جائے، جس نے ذرا غور سے تفہیم القرآن کا مقدمہ پڑھا ہوگا وہ یہ سب باتیں سمجھتا ہوگا۔

افسوس! غریب مفسر کو یہ تک نہیں معلوم کہ یہ واردات وکیفیات قرآن کریم کے الفاظ وعبارت اور اُسلوب کی خصوصیات ہیں، جو خدائے علیم وخبیر جل شانہٗ کا کلام ہے، اور اس کی شان یہ ہے کہ کثرتِ تکرار سے نہ پرانا ہوتا اور نہ اس سے طبیعت اکتاتی۔ ان کیفیات وحالات کی لذت وہی پاسکتا ہے جو قرآن کریم

کوغور وتدبر سے پڑھے، قرآن کے اسالیب بیان کی باریکیوں سے آشنا ہو اور اس کا فطری ذوق رکھتا ہو، نیز قرآن کریم کی حلاوت اس کے قلب وروح میں اس طرح رچی بسی ہو جیسے روح ہر ہر حصۂ بدن میں سمائی ہوتی ہے، یہ شخص ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے وجد واہتزاز کی لذتوں سے شادکام ہوتا ہے اور اس کی روح اس طرح پھڑک اٹھتی ہے، جیسے کہ چڑیا پھڑ پھڑائے۔ یہ خصوصیت کسی ترجمہ میں نہیں ہے، خواہ وہ کوئی ہو۔ مودودی صاحب اور مولانا آزاد ہی کا کیوں نہ ہو، پس تمام ترجموں پر اعتراض کرکے ان کو گھٹا دینا کھلی غلط بیانی ہے، کیا موصوف کا ترجمہ ان خصوصیات سے لبریز ہے؟ ہرگز نہیں، پھر ان کو دوسرے تراجم پر تنقیدی حربے استعمال کرنے کا کیا حق ہے؟ نیز اس کا کیا حق کہ اپنے ترجمہ میں ان صفات وخصوصیات کا دعویٰ کر بیٹھیں، **سبحانک ھٰذا بھتان عظیم**۔ خلاصہ یہ کہ ان کی تفسیر کا مطالعہ گذشتہ تمام اکابر سے بدظنی پیدا کرکے صرف یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ تنہا مودودی صاحب نے جو کارِ عظیم انجام دیا ہے وہ اوائل واواخر کسی سے نہ بن پڑا، اس زعم باطل کو فنا کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ ان کی غلطیوں کی چند مثالیں نمونۃً لکھ دیں۔

اس سے پہلے میں اپنے ایک رسالہ ’’**یتیمۃ البیان فی شئ من علوم القرآن**‘‘ میں ان کی اس تفسیر پر کچھ نقد کر چکا ہوں، پہلے اس کو بعینہٖ نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں، پھر مزید کچھ نمونے پیش کروں گا۔

’’چوتھی تفسیر‘‘ ’’تفہیم القرآن‘‘ ہے، اس کے مؤلف جناب ابوالاعلیٰ مودودی ہیں، موصوف اُردو کے قادرالکلام صحافی ہیں، انھیں صحافت میں فطری دستگاہ حاصل ہے، انشاء پردازی کے منفرد اُسلوب کے مالک ہین، موضوعات

ومباحث کی تحلیل وتجزیہ میں رواں دواں قلم رکھتے ہیں، انھیں عام نگاہوں کو مسحور کرنے اور نوجوانوں کو مسخر کرنے کی غیر معمولی قدرت ہے، اور بسا اوقات وہ اچھوتے مباحث بھی سامنے لاتے ہیں۔

تاہم مصیبت یہ ہے کہ ان کو دینی علوم میں رسوخ، علوم عربیت وبلاغت میں دستگاہ، بلیغ عربی کا صحیح مذاق میسر نہین، وہ ہمیشہ دوسروں کے ملبہ پر اپنی عمارت تعمیر کرتے ہیں، لیکن جب اپنے اسلوب میں اسے تعبیر کرنا چاہتے ہیں تو اکثر جادۂ حق سے نکل نکل جاتے ہیں، ان کی خودرائی وخود بینی بسا اوقات ان کو ایسا نچا دیتی ہے جو دائمی ننگ وعار کا باعث ہے، پھر اس کے ساتھ ہی انھیں ہر علم وفن میں شانِ تحقیق کی نمائش کرنے کا بھی شوق ہے، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ بجز اردو ادب کے وہ ہر موضوع میں مسکین محض ہیں، اور عیب بالائے عیب یہ ہے کہ ہر جگہ سلف صالحین پر کیچڑ بھی اچھالتے جاتے ہیں، یہ خرابی تقریباً ان کی تمام کتابوں اور مضامین میں مشترک ہے۔

ان کی تفسیر میں نقد ونظر کی بہت گنجائش اور تنقید واعتراض کے بہت مواقع ہیں، اس رسالہ میں زیادہ مثالیں پیش کرنے اور ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تاہم چند نمونے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) صحابہ پر اعتراض:

غزوۂ احد کے سلسلے میں سورۂ آل عمران کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں

''سودخواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سودخواری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوجاتے ہیں، سود لینے والوں میں حرص وطمع، بخل اور خودغرضی، اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض وحسد۔ احد کی شکست میں

ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔'' تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۲۸۸، طبع خامس

غور کرو! کہیں قرآن کریم میں اشارۃً بھی یہ ذکر ہوا ہے کہ غزوۂ احد کی ہزیمت میں ان بیماریوں کا کچھ حصہ شامل تھا، اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾

اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ، جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دونوں فوجیں، سو ان کو بہکا دیا شیطان نے ان کے گناہ کی شامت سے، اور ان کو بخش چکا اللہ۔

یہ اللہ کا ارشاد ہے اور وہ جناب مودودی کا فیصلہ، غور کرو دونوں میں کیا نسبت ہے؟ مانا کہ تیر اندازوں نے امیر کی حکم عدولی کی، ان کے کلام میں تاویل سے کام لیا، اور مال غنیمت کی تحصیل میں حصہ لینے کو ترجیح دی، لیکن کیا اس کا محرک ان میں حرص وحسد اور بغض وکینہ کا وجود تھا؟ یہ بھی تسلیم کہ اس وقت تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، لیکن کیا ان کے مخلصانہ ایمان قبول کرنے کے بعد بھی یہ رذائل اثر انداز ہو سکتے تھے؟ اس سے قطع نظر کیا اللہ نے بھی مودودی صاحب کے ذکر کردہ اسباب کی جانب کوئی اشارہ فرمایا، کیا ''بِبَعْضِ مَا اكْتَسَبُوْا '' کا وہی معنیٰ ہے جو جناب مودودی ارشاد فرماتے ہیں، اس اللہ کے بندے کو تو گویا

انتظار سا رہتا ہے کہ کب فرصت ہاتھ آئے اور صحابہ پر لعن وطعن کے تیر برسا کر دل کا بخار نکالے۔ اللہ انھیں ہدایت دے۔

سیّد قطب کی عبارت نہ سمجھی:

حیرت ہے کہ جناب مودودی نے شاید سیّد قطب کی ''ظلال القرآن'' کا مطالعہ کیا، اور غالبًا انھوں نے غزوۂ احد کے سلسلے میں چند صفحے پڑھے، جہاں انھوں نے آیت (۱۲۱) سے (۱۸۹) تک کے تفسیری نوٹ مسلسل لکھے ہیں، بالخصوص آیت (۵۹) کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے لطائف وحقائق، نظم وارتباط اور باہم آیات کے ربط واتصال پر گفتگو کی ہے، یہاں غزوۂ احد کی چند آیات کے بعد درمیان میں جو ایک آیت: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ آگئی ہے، اس سلسلے میں موصوف تحریر فرماتے ہیں:

ولعل مما يلفت النظر فى التعقيب القرآنى علىٰ احداث المعركة هو ذٰلك الازدواج العجيب بين استعراض مشاهدها ......وبين التوجيهات الاخرىٰ المتعلقة بتصفية النفوس...... وتحريرها من ربقة الشهوات وثقلة المطامع وظلام الاحقاد وضعف الحرص والشح والرغبات الرفينة.

شاید غور وفکر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ یہ آیت واقعہ جنگ کے فوراً بعد آگئی ہے، وہ یہ کہ لڑائی کے واقعات کی تفصیل ......اور ان دوسری ہدایات جن کا تعلق تزکیۂ نفس کے ساتھ اور خواہشات کی غلامی، حرص وطمع کے بوجھ، عداوت کی تاریکیوں سے نجات کے ساتھ ہے، اور جس میں بخل اور حد سے بڑھی ہوئی لالچ نیز پوشیدہ شہوات کے کمزور پہلوؤں کا بیان ہے، ان سب مضامین کے درمیان ایک عجیب ربط ہے۔

پھر طول طویل تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وكذٰلك هى ذات ارتباط وثيق بالاوضاع التنظيمية التى تقدم عليها حياةالجماعة الملة وفق منهج الله القويم، المنهج الذى يقوم على الشورىٰ فى الحياة كلها لا فى نظام الحكم وحده، وعلى النظام التعاونى لا النطام الربوى، والتعاون والربا لايجتمعان فى نظام إلىٰ أن قال : ومن ثم عرج الربوا فنهى عنه وعرج على الانفاق فى السراء والضراء وعرج علىٰ طاعة الله ورسوله فجعلها مناط الرحمة إلىٰ أن قال: والمجتمع التعاونى أقرب الى النصر من المجتمع الربوى، وكظم الغيظ والعفو من عدة النصرا.

ایسے ہی یہ آیت ان انتظامی احوال سے بھی گہرا ربط رکھتی ہے جن کے ذریعے اللہ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر مسلمانوں کی ملّی حیات آگے بڑھتی تھی، وہ راہ جو نہ صرف نظام حکومت میں بلکہ پوری زندگی میں شورائی نظام پر قائم واُستوار ہوتی ہے، اور جس کا مدار امدادِ باہمی کے اصول پر ہے نہ کہ سودی نظام پر، درحقیقت سود اور امدادِ باہمی دونوں اکٹھا نہیں ہوسکتے ...... اسی بنا پر ترقی کر کے ربوا کا ذکر کیا اور اس کو حرام قرار دیا، پھر اور آگے بڑھ کر خوش حالی وبدحالی میں انفاق کی ترغیب دی، پھر مزید ترقی کر کے اللہ ورسول کی اطاعت مطلقہ کی ہدایت دی، اور اس کو حصول رحمت کا مدار ٹھہرایا...... اور امداد باہمی والا نظام، سودی نظام کے مقابلے میں نصرت وغلبہ کا زیادہ مستحق ہے اور غصہ کا پی جانا اور عفو ودرگذر کرنا فتح وکامیابی کا ذریعہ ہے۔

کیا نسبت ہے دونوں باتوں میں؟ کہاں سیّد قطب کا بلیغ کلام اور کہاں مودودی کی مہمل اور بوجھل خرافات جو کان اور دماغ دونوں پر ثقیل ہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ مودودی صاحب نے سیّد قطب کے کلام کی روح سمجھی ہی نہیں، بس ان کا خیال انھیں خرافات پر جا پہونچا، جن کا آشیانہ ان کا دماغ بنا ہوا تھا، اور کج فکری کی وجہ سے یہ سمجھ لیا کہ یہ اخلاقی امراض حضراتِ صحابہ میں موجود تھے، اور ہزیمت میں ان کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون**

اب تمہیں بتاؤ کہ جس کے علم کی پونجی یہ ہو اور اس کی قرآن فہمی کا معیار یہ ہو، اسے قرآن کی تفسیر کرنے کا کیا حق ہے؟ اور میرا تو خیال ہے کہ اب اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے، مودودی صاحب کی کاوش سے پہلے فصیح وبلیغ اردو میں تفسیریں لکھی جا چکی ہیں، مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد جو ادب اردو پر مودودی صاحب سے بدرجہا قادر تھے، موصوف کی حیثیت تو ان کے ادبی دسترخوان پر فقط ایک طفیلی جیسی ہے، وہ ترجمان القرآن لکھ کر فارغ ہو چکے تھے، خود مودودی صاحب بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں، اور اس کی روشنی میں لکھتے ہیں، البتہ ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اُسلوبِ تحریر اور ایجاد نو میں ان سے دو قدم آگے نکل جائیں، چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نئی تحقیق ارشاد فرمادیں جس کی طرف کسی کا ذہن نہ پہونچا ہو، اور یہی تن تنہا مرد میداں ثابت ہوں، اسی سے بہت سے لوگ فریب کھا گئے، لیکن حقیقۃً ان میں اس کی اہلیت نہیں ہے، اس لئے وہ جاہلیت کے گہرے کھڈ میں جا گرے، بعض اوقات مودودی صاحب، مولانا آزاد کی غلطیوں میں بھی ان کی تقلید کر جاتے ہین، ایسے مواقع پر تابع اور متبوع دونوں گمراہی کے یکساں شکار نظر آتے ہیں۔

(۲) سماوات میں تشکیک:

''السماوات'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا تعین مشکل ہے، انسان ہر زمانے میں آسمان یا بالفاظ دیگر ماورائے زمین کے متعلق اپنے مشاہدات یا قیاسات کے مطابق مختلف تصورات قائم کرتا رہتا ہے، جو برابر بدلتے رہے ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنا صحیح نہ ہوگا، بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ زمین سے ماوراء جس قدر کائنات ہے، اسے اللہ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقے میں واقع ہے وہ سات طبقوں پر مشتمل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج:١، ص:٦٦، طبع خامس)

یہ گفتگو صاف بتلا رہی ہے کہ موصوف کو ”سبع سماوات“ کی ان تفصیلات کا یقین نہیں ہے، جو قرآن کریم نے آسمانوں کے احوال اور ان کے دروازوں وغیرہ کے متعلق بیان کی ہیں، آپ انسانی آراء اور بشری افکار سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے کہ قرآن میں صریح اور واضح نصوص میں کیا ذکر ہے؟ آخر یہ اللہ ہی کا تو فرمان ہے:

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحىٰ فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا۔

پس اس نے دو دن میں سات آسمان بنادئے اور ہر آسمان میں اس کا حکم رکھ دیا۔

اس کے علاوہ احادیثِ متواترہ بالخصوص معراج کی حدیثوں میں آسمانوں کی کیفیات، ان میں فرشتوں کا رہنا وغیرہ کتنی تفصیل وتشریح کے ساتھ مذکور ہے، نیز خدائی انتظام اور آسمانی تدابیر کی روداد شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے، قدیم فلسفہ ہو یا جدید ہر ایک سے کلیۃً صرفِ نظر کیجئے، سائنسی علوم اور ان کی نارسائی کا ذکر بھی چھوڑیئے، سائنسداں بے چارہ تو چاند ہی پر پہونچا، مریخ پر اس

نے راکٹ اتارے مگر ابھی تک غریب کائنات کی وسعت بیکراں میں مدہوش ہی ہے، اس کے نزدیک تو بعض ستارے کرۂ زمین سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی باوجود اپنی غیر معمولی محیر العقول سرعت رفتار کے لاکھوں سال میں بھی زمین تک نہین پہونچ پاتی، حالانکہ یہ بعید ترین ستارے بھی...... خواہ مشاہدہ میں آچکے ہوں یا ہنوز نگاہوں اور دوربینوں کی زد سے ورے ہوں...... تمام تر آسمانِ دنیا کے نیچے ہی ہیں، چرخِ نیلی فام کی یہ رِفعت دیکھو کہ کس قدر عظیم ہے، اور اللہ کے اس فرمان پر نظر ڈالو۔

ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمِ السَّمَاءَ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا۔

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا، اس نے اس کو بنایا، اونچا کیا اس کا ابھار، پھر اس کو برابر کیا۔

اور **أفلا ینظرون إلی الابل کیف خلقت وإلی السماء کیف رفعت۔** بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے اور آسمان پر کہ کیسا اس کو بلند کیا۔

چونکہ آسمان اپنی غیر معمولی مسافت کی وجہ سے عقل ونگاہ سے بہت دور ہے، اس لئے ؎ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

کے بمصداق فرض کرلیا گیا کہ وہ منتہائے نگاہ کے علاوہ کچھ نہیں، اور اس کی حقیقت بس ایک خوشنما منظر کی ہے کہ نگاہ وہاں تک پہونچ کر درماندگی کے ساتھ لوٹ آتی ہے، بلاشبہ یہ نظریہ قطعاً غلط اور باطل ہے، قرآن کریم میں آسمان کا وجود اور اس کی صفات صراحۃً موجود ہیں اور پیغمبر ﷺ نے احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ فرشتوں کا مستقر ہے، اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے گو کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے مادی تخت ومستقر سے بے نیاز ہے۔

بہر کیف آسمان ایک موجود مخلوق ہے، اس سلسلے میں آیات قطعی وارد ہیں اس کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار اور پیغمبر کی تکذیب ہے، اور کون نہیں جانتا کہ اللہ ورسول کی تصدیق اور قرآن پر ایمان ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور اس جیسی آیات میں تاویل کی آڑ لینا انکار ہی کے مرادف ہے۔ مودودی صاحب کی گفتگو سے آسمان کے وجود کا انکار اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اور ادیانِ سماوی کے ایک متفقہ مسئلہ پر عدم اطمینان مترشح ہوتا ہے، اس کی تفسیر ہی کرنی تھی تو یہ کرتے کہ ”فلاسفہ کے افکار ونظریات گو کہ آسمان کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر ہین تاہم قرآن وحدیث نے پوری قوت وصراحت کے ساتھ اس کی حقیقت ووجود کا اثبات کیا ہے، پس مجملاً اس قول پر اکتفا کرنا کہ اس کی تعیین مشکل ہے اور لوگوں کے نظریات مختلف ہین، آخر اتنی کمزور بات کی کیا ضرورت تھی، اور قرآن کی تصریح اور قطعی حدیثوں کی توضیح کے بعد ”آراء رجال“ کی حقیقت ہی کیا ہے؟

ناظرین بطور خود اس غلط تفہیم اور اس قطعی مسئلہ کا موازنہ کرلیں۔

سیّد قطب کی بات سمجھنے میں پھر غلطی:

بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ”ظلال القرآن“ میں یہ عبارت ملاحظہ کی۔

لامجال للخوض فی الاستواء إلا أنه أمر من السيطرة والقصد بإرادة الخلق والتكوين كذٰلک لا مجال للخوض فی معنى السماوات السبع المقصودة هنا وتحديداشكالها وابعادها إكتفاءً بالقصد الكلى من هٰذاالنص وهو التسوية لكون أرضه وسمائه فی معرض استنكار كفر الناس بالخالق المهيمن المسيطر

علی الکون، (ظلال القرآن، ج: ۱، ص: ۶۳)

استواء کی حقیقت میں خوض ممکن نہیں بجز اس کے کہ اس کو خلق وتکوین کے ارادہ وغلبہ سے تعبیر کیا جائے، ایسے ہی یہاں پر سبع سماوات سے جو کچھ مراد ہے اس کو متعین کرنا اس کی شکل کی تحدید کرنا نیز اس کی مسافت کا پتہ لگانا یہ بھی مشکل ہے، پس اس نص سے اجمالاً جو کچھ مراد ہے اسی پر اکتفاء کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ منکرین نے خالق ومالک اور دنیا کے حاکم ومحافظ کا جو انکار کیا ہے اس کی قباحت وشناعت بتانے کیلئے زمین وآسمان کی خلقت کا ذکر ہوا ہے (کہ جس نے یہ زمین اور یہ آسمان بنائے اس کی ذات کا انکار کیسی بے عقلی کی بات ہے۔ مترجم)

اس مقام پر گو یہ کلام بھی قصور ونقصان سے پاک نہیں، تاہم اس میں کوتاہی تعبیر کے علاوہ اور کوئی خامی نہیں ہے لیکن جناب مودودی صاحب نے تو سید قطب کی بات سمجھے بغیر چاہا کہ اس مقام کی شرح وتوضیح میں ان سے بڑھ کر ایک بات کہہ دیں، اس کے نتیجے میں ان کے قلم نے جو شگوفہ کھلایا وہ گمراہی کی حد کو پہونچ گیا، ناظرین غور کرلیں کہ دونوں کلاموں میں بین فرق ہے۔

حاصل یہ کہ موصوف کی اس تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں قرآنی مضمون پر اطمینان اور حدیث کے ارشاد پر شرحِ صدر نہیں ہے، اللہ رحم فرمائے اس پر جو تعصب وتنگ نظری چھوڑ کر انصاف سے کام لے۔

اکثر پڑھنے والے تو مودودی صاحب کی شخصیت ہی میں مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں، ان کا شعور وادراک ان کی باریکیوں اور خطرناک نتائج کی جانب نہیں پہونچتا، جب عام پڑھے لکھے لوگوں کا یہ حال ہے تو نئی نسل بھلا کب ان امور کو سمجھ سکتی ہے، جو شیدا ہی ہے آزاد تعبیرات کی! حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ عبارت آرائی، زق زق، بق بق سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۳) ''رفع طور'' میں تحریف:

ورفعنا فوقکم الطور کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے، بس مجملاً یوں سمجھنا چاہئے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کردی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑ ان پر آن پڑے گا۔

(تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۸۳)

یہ تاویلِ معجزات کا ذوق بعینہ وہی ہے جو معتزلہ کا تھا، یہ گویا رفع حقیقی حسی کا انکار ہے، اسے ایک خوفناک صورت کا تمثّل قرار دیتے ہیں، حالانکہ سورہ اعراف میں اور زیادہ صراحت ہے:

وَإِذْنَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ۔

اور جس وقت اٹھایا ہم نے ان کے اوپر پہاڑ مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا۔

اس صریح ارشاد **نتقنا** کے بعد اس معتزلانہ تاویل کی گنجائش بالکل ختم ہوگئی، امام راغب لکھتے ہیں:

نتق الشئ، جذبه ونزعه حتیٰ یسترخیٰ قال تعالیٰ: وَإِذْنَتَقْنَا الْجَبَلَ الخ (**نتق الشی** یعنی کھینچنا اور اکھاڑ دینا کہ اس میں ڈھیلا پن پیدا ہوجائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْنَتَقْنَا الْجَبَلَ** الخ،

پھر وہی ناسمجھی:

یہاں بھی تفہیم القرآن کے مؤلف نے **صاحب ظلال** کی عبارت سمجھنے میں غلطی کی، سیّد قطب لکھتے ہیں:

إنه میثاق لاینسی فقد أخذ فی ظرفٍ لا ینسی أخذ وقد نتق

الله الـجبل فوقهم كأنه ظلة...... فأعطوه فی ظل خارقة هائلة كانت جـديـــرة أن تعصمهم بعد ذٰلک من الانتكاس ولقد أوردوا فی ظل تلک الخارقة القومية۔ (ظلال القرآن، ج:۹، ص:۹۹)

یہ ایک ناقابل فراموش عہد ہے جو یادگار ماحول میں لیا گیا، اور یہ عہد ایسی حالت میں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر ان کے سروں پر سائبان کی طرح معلق کر دیا تھا...... اس خوفناک خرق عادت (معجزہ) کے سائے میں انھوں نے قول وقرار کیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس سے کبھی نہ پلٹتے، جبکہ انھیں خوفناک معجزہ کے سائے میں رکھ دیا تھا الخ

صاحب ظلال کی عبارت میں **ظـلـة** اپنے معنیٰ سے خارج نہیں ہے، اور ''**خـارقة هـائلة**'' سے تعبیر کرتے ہیں یعنی خوفناک معجزہ، مودودی صاحب نے اس میں تحریف کر کے **صـورة هائلة** کر دیا یعنی خوفزدہ کرنے والا معجزہ صورتحال تاکہ رفع جبل کا استبعاد ختم ہو جائے۔ یہ تحریف ابوالکلام آزاد بھی کر چکے ہیں، مودودی صاحب نے یا تو **خارقة** کا مفہوم نہیں سمجھا یعنی خلاف عادت معجزۂ خداوندی، یا سمجھا تو ضرور ہے مگر ان کا دل معتزلانہ ساخت کے باعث اس پر مطمئن نہ ہوا، اس لئے مسخ وتحریف کر کے ''صورتحال'' بنا دیا، جو بات بھی ہوا سے ان کی جہالت کی دلیل سمجھا جائے یا یہ کہ ان کے ذہن ودماغ میں قدرتِ الٰہی کے معجزانہ کارناموں کے سلسلہ میں معتزلانہ استبعاد وانکار کا چور موجود مانا جائے، **والله يهدی من يشاء إلىٰ صراطٍ مستقيم۔**

(۴) کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام استدلالی موحد تھے؟

فَلَـمَّـا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأىٰ كَوْكَبًا الخ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں

”یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جومنصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہونچنے کا ذریعہ بنا، اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں حاصل نہ ہوسکی تھی کس طرح آثارِ کائنات کا مشاہدہ کرکے اور ان پر غور وفکر اور ان سے صحیح استدلال کرکے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا...... ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر ہوئے بیچ کی جن منزلوں میں غور وفکر کرنے کیلئے ٹھہرتا ہے، اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کررہا ہے، اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہونچ کر وہ قیام کرتا ہے، بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لئے ناگزیر ہیں، ان پر ٹھہرنا بسلسلۂ طلب وجستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ! (تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۵۵۹)

اس تفسیر میں کئی غلطیاں اور گرفتنی جگہیں ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اصل فطرت ہی میں عقیدۂ توحید پر پیدا ہوتے ہیں، توحید کی بنیادیں ابتداء ہی سے ان کے قلوب میں راسخ ہوتی ہیں اور آغاز کار ہی سے انھیں اس پر اطمینان کامل حاصل ہوتا ہے، ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اس پاک اعتقاد سے خالی گذرے ناممکن ہے، یہ تو امکان ہی نہیں کہ نبی کو وحدانیت کے باب میں کبھی حیرت وتردد کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ حدیث میں ہے:

كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه۔	ہر بچہ (توحید کی) اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

یہ عام انسانوں کا حال ہے، انبیاء تو شروع سے ہی نبوت کے لئے منتخب ہوجاتے ہیں، پھران کی سلامت فطرت کا کیا حال ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ایک اللہ پر ایمان تو ان کی اصل فطرت ہے، اس مسئلے میں ان کو نظری استدلال کی کیا ضرورت؟ وہ ہر قسم کے نظر وفکر سے پہلے ہی اللہ کی وحدانیت اور اس کی یکتائی سے آشنا ہوتے ہیں، اہل حق کا یہی مسلک ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ کائنات اور اس کے مستحکم نظام پر غور وفکر اور استدلال ونظر کی راہ سے وہ یقین سے عین الیقین اور وہاں سے حق الیقین کے درجات تک ترقی کریں، چنانچہ اس کا اشارہ اس سوال وجواب میں ملتا ہے جو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت حق جل مجدہٗ کے درمیان ہوا تھا۔

رَبِّ أَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِیْ الْمَوْتٰی۔

اے رب مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔

(۲) جناب مودودی صاحب صراحت فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی منزل یقین تک پہونچنے میں حیرت وتردد کے مرحلوں سے گذرے ہیں اور استدلال کے بعد مقام ایمان تک ان کی رسائی ہوئی، نیز حق وصداقت کی راہ طے کرنے میں انھیں بھی وہ منزلیں قطع کرنی پڑی ہیں جن سے چلنے والے کا سابقہ پڑتا ہے اور مسافر ان سے دوچار ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ نظریہ غلط در غلط اور سخت گمراہ کن ہے، میں جانتا ہوں یہاں بھی انھوں نے سیّد قطب کے نقش قدم پر چلنا چاہا ہے اور حسب معمول بات کو نہ سمجھ کر غلط راہ پر لگ گئے ہیں، گوکہ سیّد قطب نے بھی اس مقام پر غلطیاں کی ہیں۔

شرک وکفر سے انبیاء...... قبل نبوت بلکہ قبل بلوغ بھی...... معصوم رہتے

ہیں، یہ امت کا اجماعی اور متفقہ مسئلہ ہے، ممکن نہیں کہ انھیں توحید میں کبھی کوئی تردد ہو، یا وہ حیرت میں گرفتار ہوں، یا کسی سے پوچھنے یا استدلال کی نوبت آئی ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کی زندگی کے کسی لمحے میں بت پرستی یا شرک کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی...... خواہ وہ کتنا ہی عارضی اور غیر مستقل ہو، اور خواہ وہ درمیان ہی میں ہو ...... پایا جائے۔

(۳) سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو مشرکین کو لاجواب کرنے کے واسطے ''**مجاراۃ مع الخصم** ''(۱) کے طور پر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ توحید کے منکروں پر حجت بالغہ قائم ہوجائے تاکہ انھیں مجالِ گفتگو نہ رہے۔ یہ گفتگو دراصل ان کی گمراہی پر ایک لطیف تنبیہ اور ان کو کجی سے بچانے کا ایک بہترین اُسلوب ہے جو اہل بلاغت کا طریقہ اور حکیمانہ دعوت کا مقتضا ہے، نہ یہ کہ وہ خود حیرت وتردد اور شک وگمراہی میں مبتلا تھے کہ یہ کہنا پڑے کہ ہر راہ رَو کو منزل تک پہونچنے میں ان مراحل سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کی غلطیوں کے یہ چند نمونے ہیں اور جہاں جہاں وہ جادۂ مستقیم سے زیادہ بہک گئے ہیں وہاں وہاں تو سخت نقد واحتساب کی ضرورت ہے۔ ہماری غرض تو چند جھلکیاں دکھانی تھیں، **واللہ ولی التوفیق إلی الهدایة**

مودودی صاحب کی ایک بڑی خیانت:

مودودی صاحب کے مقالات اور کتابوں میں ایک بڑا عیب یہ ہے کہ کبھی کبھی جب علماء کی جانب سے ان کی لغزشِ قلم پر تنبیہ کی جاتی ہے اور خود وہ بھی

---

(۱) **مجاراۃ مع الخصم** کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مدمقابل کا دعویٰ فرضاً تسلیم کرکے اس کی اندرونی خرابیاں سامنے لائی جائیں، اور اس سے اس پر الزام قائم کیا جائے۔ مترجم

اپنی غلطی کا احساس کر کے اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اب خواہ یہ رجوع عبارت بدل کر صرف تاویل مقصود ہو، وہ بعد کے ایڈیشن میں عبارت میں ترمیم وتغیر تو ضرور کردیتے ہیں مگر اتنی آہستگی سے کہ رجوع یا تاویل کا کسی کو پتہ نہ چلے، اب جن کے پاس اگلا ایڈیشن ہوتا ہے وہ تو اس غلطی میں پڑے رہتے ہیں جس میں موصوف مبتلا کر چکے ہیں، (۱) انھیں اس اصلاح کی بالکل خبر نہیں ہوتی، کاش وہ اپنی غلطی کا اعلان کردیتے تو لوگوں کی نگاہوں میں ان کی قدر ومنزلت دوچند ہوجاتی اور عنداللہ بری بھی ہوجاتے، لیکن افسوس ہے کہ وہ کوئی اعلان نہیں کرتے ایسی صورت بنائے رکھتے ہیں جیسے ان سے کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے حق میں انھوں نے ابتداءً لکھا تھا کہ:

> ''تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفۂ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، اور غالباً انھوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا...... پس جب نبی اداءِ رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اس کے مقرر وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

---

(۱) اس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر تنقید کرنے والے نے پہلے ایڈیشن کو سامنے رکھ کر تنقید کی ہے تو جماعت اسلامی کے افراد دوسرا ایڈیشن اٹھا لاتے ہیں کہ دکھاؤ اس میں کہاں وہ عبارت ہے جس پر تنقید کی گئی ہے، پھر یہ الزام رکھتے ہیں کہ ناقدین غلط حوالے نقل کرتے ہیں، ایسی صورتیں تجربہ میں آچکی ہیں، اس لئے ناقد کو حوالہ میں ایڈیشن نمبر کا بھی حوالہ ضرور دینا چاہئے، ان کا ہر ایڈیشن ترمیم وتغیر سے مالا مال ہوتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتے، اور کرتے بھی ہیں تو اتنا گول مول کہ معلوم نہ ہوسکے کہ کہاں تغیر کیا گیا ہے اور کیا عبارت بدلی گئی ہے؟ (مترجم)

یہ مضمون نبی کے بارے میں ناقابل تحمل تھا چنانچہ لوگوں نے اس پر انھیں ٹوکا کہ نبی اگر منصب نبوت میں کوتاہی کرے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں اس منصب بلند کی اہلیت ہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انتخاب کے باب میں چوک ہوئی، گویا اللہ کا علم نہ محیط ہے نہ صحیح، **نعوذ بالله من شرور أنفسنا**، اس گرفت کے بعد موصوف نے عبارت بدل دی مگر کوئی اعلان نہیں کیا، چنانچہ ابتدائی ایڈیشن میں یہ عبارت بعینہٖ موجود ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے کے مسئلہ میں بھی چپکے سے انھوں نے ترمیم کرڈالی، ایسی اور بھی مثالیں ہیں۔

(۵) صحیح روایت کا انکار اور معجزے سے فرار:

''**شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا**'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک بچہ تھا، لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ...... بلکہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی تہ تک پہونچ گیا، بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ رہا ہو۔(۱) (تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۳۹۴)

موصوف اگر تفسیر کی متداول کتابوں کو پڑھے ہوتے تو ایسی جرأت انھیں نہ ہوتی۔ یہ حدیث صحیح اسناد سے ثابت ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد میں، اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں، اور امام حاکم نے مستدرک

---

(۱) مودودی صاحب کو قدیم واقعات جدید اصطلاحات میں بیان کرنے کا بہت شوق ہے۔

میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کو روایت کیا ہے، اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے، اور شیخین (بخاری ومسلم) کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ (روح المعانی)

اس طرح کے مواقع صاف بتلاتے ہیں مودودی صاحب کی طبیعت میں معجزات سے فرار کا جذبہ موجود ہے، ان کا دل انکارِ معجزات کی راہیں ڈھونڈھتا رہتا ہے، غالباً انھیں خدا تعالیٰ کی وسیع قدرت میں تنگی محسوس ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ''استبعادِ معجزات'' کا یہ جذبہ آج کل کے بزعم خود ''مدعیان تحقیق'' کا شعار بنا ہوا ہے، بہر کیف یہ مباحث ان کی علمی بے بضاعتی اور مسلک اہل سنت والجماعت سے انحراف پر اچھی خاصی روشنی ڈالتے ہیں۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں بدگوئی:

سورۂ ص کی تفسیر میں سیّدنا داؤد علیہ السلام کی پاک شخصیت پر ایسے گھناؤنے اور خرافاتی مباحث چھیڑے ہیں جن کے پڑھنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے، بحث کے دوران طول طویل انجیلی خرافات نقل کئے ہیں، اور ابتداءً تمہید کے طور پر کتاب سموئیل سے تلخیص کر کے نہایت فحش حکایت بیان کی ہے، اور اس کو ان الفاظ میں مؤکد کیا ہے۔

> ''نزول قرآن سے صدیوں پہلے یہ (واقعہ) بائبل میں درج ہو چکا تھا، دنیا بھر کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو بھی اپنی اس مقدس کتاب کی تلاوت کرتا یا سنتا تھا وہ اس قصے سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس پر ایمان بھی لاتا تھا، انھیں بزرگوں کے ذریعہ یہ دنیا میں مشہور ہوا، اور آج حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بنی اسرائیل اور عبرانی مذہب کی تاریخ پر

> کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جاتی جس میں حضرت داؤدؑ کے خلاف اس الزام کو دہرایا نہ جاتا ہو۔“

گویا وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ واقعہ تاریخی کتابوں اور اناجیل کی روشنی میں تواتراً منقول ہے، پھر پوری حکایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ”اس قصے اور اس شہرت کی موجودگی میں یہ ضرورت باقی نہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق تفصیلی بیان دیا جاتا، اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ ہے بھی نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں ایسی باتیں کھول کر بیان کرے، اس لئے یہاں پردے پردے ہی میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا......
>
> اصل واقعہ جو قرآن کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا (یا جو کچھ بھی نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرماں روا اور ایک زبردست عظمت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک مزدور کے سامنے ظاہر کی گئی اس لئے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا۔“

مودودی صاحب نے اپنی دوسری تصنیف تفہیمات میں اس سے زیادہ فحش اور گستاخانہ الفاظ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ:

> حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اگر چہ وہ بنی اسرائیل کے یہاں عام دستور تھا اور اس دستور سے متاثر ہو کر ان سے یہ لغزش صادر ہوگئی تھی مگر قبل اس کے کہ وہ طلاق دیتا قوم کے دو آدمی اچانک حضرت داؤدؑ کے

پاس پہونچ گئے اور انھوں نے اس معاملہ کو ایک فرضی مقدمہ کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا (لیکن انھیں تنبہ ہوا) چنانچہ فوراً انھوں نے توبہ کی اور غایت درجہ انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے اپنے قصور کی بخشش چاہی۔" (تفہیمات، ج: دوم، ص: ۴۲)

اور لکھتے ہیں:

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کو اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعہ سے علم ہوگیا تھا، اوران کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونی چاہئے، اس خیال سے مغلوب ہوکر انھوں نے اس کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دیدے، اس میں کوئی وقت انھوں نے اس لئے محسوس نہ کی کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی......اس پہلو کی طرف جب اس تمثیلی مقدمہ کے ذریعہ ان کی توجہ دلائی گئی تو وہ بلاتامل اپنی اس خواہش سے دستبردار ہوگئے، اور بات آئی گئی ہوگئی، بعد میں جب کسی وقت ان کی خواہش اور کوشش کے بغیر اس خاتون کا شوہر ایک جنگ میں شہید ہوگیا اور انھوں نے اس سے نکاح کرلیا تو یہودیوں کے خبیث ذہن نے افسانہ تراشی شروع کردی۔"

(تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۲۳۸)

افسوس وہ ان خرافات کو بار بار ذکر کرتے ہیں گویا انھیں کوئی خاص حظ ایسا کرنے میں آتا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤدؑ سے قصور تو ضرور ہوا تھا اور کوئی ایسا

قصور تھا جو دنبیوں والے مقدمے سے کسی طرح مماثلت رکھتا تھا...... لیکن اس قصور کی نوعیت ایسی شدید نہ تھی کہ اسے معاف نہ کیا جاتا۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۲۶)

پھر لکھتے ہیں:

’’یہ وہ تنبیہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے اور بلندیٔ درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤدؑ کو فرمائی، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۲۷)

اس تفسیر میں کئی مواخذات ہیں۔

(۱) آخر انجیل کی عبارتیں نقل کرنی کیا ضروری تھیں جن کے پڑھنے سے کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔

(۲) اس کی تمہید میں یہ ذکر کرنا کہ یہ واقعہ مورخین کے نزدیک مشہور ہے، اور نبی اسرائیل کا اس پر ایمان تھا، پھر قرآن نے بھی پردے پردے میں اشارہ کیا، حد درجہ مہمل اور بیہودہ ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں یہ واقعہ تسلیم ہے۔

(۳) نبی معصوم کی جانب مغلوبیت اور خواہش نفس کا انتساب اور اس حد تک کہ اوریا کی بیوی تک کو اپنی حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کے ساتھ طلاق کی خواہش ظاہر کریں، بہت گستاخانہ بات ہے۔

(۴) اس میں صراحۃً یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ نبی معصوم...... جس کو اللہ تعالیٰ خواہش نفسانی سے محفوظ رکھتا ہے، بنی اسرائیل کے ایک رواج سے متاثر ہو گئے

اوراس طرح کی تدبیریں اس سوسائٹی میں بعیداور مذموم نہ تھیں، یہ ادعاء محض اس کا نتیجہ ہے کہ مودودی صاحب نبوت کے عظیم منصب سے ناواقف ہیں، کیا نبی معصوم کے حق میں یہ تصور ہوسکتا ہے کہ وہ نفس کی شہوت وطاعت میں گرفتار ہو، کون سوچ سکتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی آرزو پورا کرنے کے لئے حیلہ سازیوں سے کام لے سکتے ہیں؟ **إنا لله وإنا إليه راجعون** ، اگر یہ بات مان لی جائے تو منصب نبوت پراطمینان کی کیا سبیل باقی رہ جاتی ہے؟

(۵) نبی معصوم اور خلیفۂ جلیل پر یہ الزام تراشی کہ انھوں نے اقتدار کی طاقت استعمال کی، ایسا اتہام ہے جس سے ان کی شخصیت داغدار اور ان کا وقار مجروح ہوتا ہے، ان کا منصب اس سے کہیں بالا ہے کہ ایسی نامناسب چیزوں کا ان سے صدور ہو۔ یہ تمام خرافات ہیں نبی معصوم کا حق اور خلیفۂ برحق کا رُتبہ اس سے بلند تر ہے۔

(۶) ان کے اس تفسیری حاشیہ کو پڑھنے والے کے حق میں شدید اندیشہ ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے گمرہی کا شکار ہوجائے گا، بالخصوص ایسے لوگ جن کا ربط دین کے ساتھ پختہ نہیں ہے اور جنھیں قرآن کی باریکیاں سمجھنے کی استعداد نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ یہاں سے ترقی کر کے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر بھی نقد وجرح کا دروازہ کھول دیں، اور ان مقدس حضرات سے بدگمان ہوجائیں یہاں تک نوبت پہونچنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ وتابعین بچ جائیں گے؟ یہی حضرات ہیں جو حضرت حق جل مجدہٗ کے یہاں سے حضرت جبرئیل امین کے ذریعہ سے واسطہ درواسطہ بن کر دین ہم تک پہونچا گئے، انھیں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا (پھر باقی کیا رہ جائے گا، مودودی صاحب اور ان کا دین!) **واللہ یقول الحق وهو يهدى السبيل۔**

(۷) حضرت نوح علیہ السلام پر بہتان:

اِنِّی اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ”اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوحؑ کے اندر روحِ ایمانی کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا، اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہوتے ہیں، اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے، بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے، لیکن جوں ہی اسے یہ احساس ہوتا ہے یا اللہ کی طرف سے اسے احساس کرایا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیارِ مطلوب سے نیچے جا رہا ہے وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں ہوتا......لیکن اللہ تعالیٰ جب انھیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے نیاز ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۳۴۳)

اس میں کئی باتیں قابل گرفت ہیں۔

(۱) نبی معصوم کے حق میں جاہلیت کا اثبات کیا جبکہ شروع میں اس کی نفی کر چکے ہیں۔

(۲) نوح علیہ السلام کے متعلق انھوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ وہ کبھی کبھی بشری

کمزوریوں سے مغلوب ہوجاتے تھے۔

(۳) نبی کا ہر قول وعمل خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوا کرتا ہے، وہ کسی غیر صالح سوسائٹی سے متاثر ہوں، ان کی شان اس سے بلند ہوتی ہے، نبی کی تربیت تو ربوبیت خاصہ کے تحت ہوتی ہے، ان کا رُتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ جاہلیت کا طریقہ اختیار کریں، نبی کا منصب بزرگ اس سے بعید تر ہے۔

دعویٔ عصمت:

معہٰذا حیرت کی ایک بات ملاحظہ کیجئے، مودودی صاحب نے اپنے متعلق ''رسائل ومسائل'' میں ایک عجیب دعویٰ کیا ہے، جسے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے اپنی کتاب ''مودودی مذہب'' میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

> ''میں کبھی کوئی کام بفضلہٖ تعالیٰ جذبہ ومیلان سے مغلوب ہوکر نہیں کرتا، اور جو کچھ میں کہتا ہوں خوب تول کر کہتا ہوں اور میں مطمئن ہوں کہ کوئی بات خلافِ حق میں نے نہیں کہی۔''(۱) رسائل ومسائل، ج:۱، ص:۳۰۶ طبع ثانی

سبحان اللہ! نبی تو جذبات اور بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلی سوسائٹی سے متاثر ہوجائے لیکن مودودی صاحب کا رُتبہ اتنا بلند ہے کہ ان سے کوئی بات خلافِ حق نکل ہی نہیں سکتی، شاید ان کا مرتبہ العیاذ باللہ انبیاء سے فائق ہے جبکہ اللہ کی مشیت ازلی نے ان حضرات کی معصومیت مقدر کر رکھی ہے اور وہ ہمیشہ خدا کی نگہداشت میں رہتے ہیں، ان کے علاوہ اور افرادِ انسانی خواہ وہ اولیاء اللہ ہی کیوں نہ ہوں ان میں جذبات وخواہشات کی کشمکش ہمیشہ جاری رہتی ہے،

---

(۱) اصل کتاب رسائل ومسائل ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم نے عربی سے ترجمہ کیا ہے، ممکن ہے الفاظ میں کچھ فرق ہوگیا ہو۔ مترجم

یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر مودودی کی خود پسندی اور اِعجاب کا منصفانہ جائزہ لے کر تمہیں بتاؤ کہ یہ شخص کہاں تک جا پہونچا ہے، اس سے زیادہ تکلیف کی بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے اس طرح عصمت کی ڈینگیں ہانک رہا ہے وہ انبیاء کے متعلق ''ایک لطیف نکتہ'' یوں تصنیف کرتا ہے:

> ''اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ (۱) ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہونے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔'' تفہیمات، ج:۲، ص:۴۲، طبع ثانی

انبیاء کی بشریت کے لئے کیا اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں، ماں کے شکم سے پیدا ہوتے ہیں، تندرستی و بیماری کے احوال سے گذرتے ہیں کیا فقط صدورِ معصیت ہی سے ان کی بشریت ظاہر ہوگی، اس نقطۂ نظر کی گمراہی اتنی واضح ہے کہ اس پر تنقید کرنا بھی فضول ہے، اللہ ہدایت دے۔

(۸) حضرت آدم علیہ السلام زد میں:

سورہ طٰہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں (اس ناخلف بیٹے نے ''مترجم'') جو کلمات اور تعبیرات استعمال کی ہیں وہ بھی انتہائی کریہہ اور ناگفتنی ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش صادر ہوگئی تھی، اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ شیطان کے بہکانے پر وہ ثابت قدم نہ رہ سکے اور بہک گئے، اور شیطانی تحریض کے زیر اثر ان پر ایک ایسا فوری جذبہ طاری ہو گیا کہ ضبط نفس کی قدرت نہ پا سکے اور طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کوئی کام بلا ارادہ بھی کرتے ہیں، اللہ رے خوبی تعبیر کے دیوانے! الفاظ کے دروبست دیکھتے رہو، چاہے حقائق کا جنازہ نکل جائے۔ (مترجم)

> ''یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی......بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریض کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا، اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔
>
> (تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۱۳۳)

اس طرح کی تعبیرات حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی شان میں انتہائی بے ادبی ہے(۱) جس پر وہ شخص قادر ہی نہیں ہو سکتا جن کے قلب و دماغ میں ان کے منصب عظیم کا کچھ بھی پاس و لحاظ ہوگا۔

ایک اہم نکتہ:

یہاں ایک اہم نکتہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو عربی کے کلمات مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کے مفہوم و مطلب موقع محل کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں، ہر عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باریکیوں کو کماحقہ، سمجھے اور تعبیرات کے فرق کو نگاہ میں رکھے، کیونکہ الفاظ و عبارت کی دنیا بے حد تنگ ہے، ان مختلف النوع معانی اور حقائق کی ادائیگی میں دشواریاں پیش آتی ہیں مجبوراً قدرے تسامح سے کام لینا پڑتا ہے، ان کو ہر جگہ ایک ہی معنی میں سمجھنا اور استعمال کرنا یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو ان باریکیوں سے ناواقف اور انبیاء علیہم السلام کی

---

(۱) غالباً مودودی صاحب کے نزدیک خوبصورت ادبی اسلوب میں دی گئی گالیاں بڑا نہیں کرتیں، بلکہ شاید کچھ رُتبہ ہی بلند کر دیتی ہیں، انھوں نے انبیاء، صحابہ، ائمہ، تابعین، علماء، اولیاء سبھی کی اس خوانِ یغما سے تواضع کی ہے، البتہ فتوے کی زبان انھیں ناپسند ہے، اس سے برہم ہو جاتے ہیں، ان کے حق میں علماء کا قصور یہی ہے کہ انھوں نے فتوے کی زبان استعمال کر دی، ورنہ اگر وہی باتیں الفاظ و تعبیرات کے حسین آبگینوں میں پیش کی جاتیں تو شاید مودودی صاحب نہال ہو جاتے۔(مترجم)

شان میں بے ادب ہو اور ان کے ساتھ عام انسانوں جیسا معاملہ روا رکھتا ہو، چنانچہ مودودی صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں ...... جو لندن کی ایک کانفرنس میں بھیجا گیا تھا...... حضرت خاتم النبیین ﷺ کے متعلق صراحۃً لکھ دیا ہے کہ:

> ”نہ وہ مافوق البشر تھے اور نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر تھے۔“
>
> (ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۷۶ء)

پھر جب ان پر تنقید کی گئی تو تاویل کرلی کہ بشری کمزوریوں سے مراد بشری خصوصیات ہیں، یہ محض تاویل بلکہ محاورہ کی تحریف ہے، یہ بات تو انھوں نے تمام انبیاء کے بارے میں اپنے مضامین ورسائل میں تحریر کی ہے، اور صحابہ کے حق میں بھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ صرف ان کی پاک دامنی کے اظہار کے لئے نہیں بیان کیا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو قصور سرزد ہوا کہ اللہ کے انتباہ کے باوجود وہ دشمن کے کید میں پھنس گئے، اس آزمائش میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کی پوری ذریت...... باستثنائے علامہ مودودی (مترجم)...... اس میں برابر مبتلا رہتی ہے۔

اور لکھتے ہیں کہ:

> یہ سب اس لئے ہوا کہ ان کی خوبیاں بھی اور کوتاہیاں بھی دونوں ظاہر ہوجائیں، اسی لئے اللہ نے امتحان میں ڈالا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حرص وطمع کے زیر اثر جو منصب کا امیدوار ہوگا لازماً اس کے قدم ڈگمگا جائے اور بھول چوک اس کے علم اور یاد پر غالب رہے گی۔ (ملخصاً ترجمہ ازعربی) ترجمان القرآن، ص: ۱۲۹، ۱۹۵۵ء

مودودی صاحب کا یہ اندازِ تحریر ایک نبی معصوم...... جو اللہ کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہے...... کے حق میں حد درجہ گمراہ کن اور گستاخانہ ہے، اس میں کئی باتیں قابل مواخذہ ہیں، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لکھنے والے کا تعلق اسلام سے ہے ہی نہیں جیسے کوئی نومسلم ہو جسے نہ ابھی نبی کی کوئی معرفت ہو اور نہ رسول کی، اور نہ ہی وہ قرآن کے حقائق سے آگاہ ہو۔ **فإنا للہ وإنا إليه راجعون**

خلاصہ یہ کہ عبارتوں کے لفظی اشتراک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے معانی بھی ہر جگہ ایک ہی ہوں، یا ان سب کا رتبہ یکساں ہو، مثال کے طور پر لفظ ''ملیم'' کو اللہ نے سورۂ ذاریات میں فرعون کے حق میں ارشاد فرمایا:

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔

پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو، پھر پھینک دیا اس کو دریا میں اور لگا اس پر الزام۔

اور بعینہٖ یہی لفظ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں سورۂ صافات میں آیا ہے: **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔**

پھر لقمہ بنایا اس کو مچھلی نے، اور وہ الزام کھایا ہوا تھا۔

تو کیا دونوں کی حقیقت ایک ہے؟ ہرگز نہیں، فرعون کافر تھا، اللہ نے اسے ذلیل وخوار کیا، یونس علیہ السلام نبی تھے، اللہ نے ان کو نبوت کے لئے چنا، اگر کوئی شخص دونوں جگہ ایک ہی معنیٰ مراد لینے لگے کہ اللہ نے دونوں کے حق میں ایک ہی کلمہ ارشاد فرمایا ہے تو ایسا شخص جنونی ہے جو اپنی بات بھی سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہے، حقائق کا ادراک کیا کرے گا، کورِ محض ہے، **نعوذ باللہ**

تاریخ کے ساتھ مذاق:

سیّدنا داوٗد علیہ السلام کے بارے میں تفہیم القرآن کی عبارت تفہیمات کی

عبارت کے مقابلے میں زیادہ بدتر ہے البتہ تفہیمات کے حاشیے کا نوٹ نہایت مکروہ اور مہمل ہے، اسے ذکر کرنے سے پیشتر ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث نقل کرتے ہیں جسے امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد نے متعدد طریقوں سے اور مختلف انداز میں نقل کیا ہے، اس میں حضراتِ مدینہ کے انصار کے ایک زبردست کارنامے اور جلیل القدر ایثار کا ذکر ہے کہ انھوں نے کس طرح اللہ ورسول کے منشا کی اطاعت میں اپنے بھائی مہاجرین کو مال ومتاع، جائداومکان حتیٰ کہ ازواج تک میں شریک کرلیا تھا، اسے تاریخ نے ’’عقد مواخاۃ‘‘ کے نام سے یاد رکھا ہے، اور اس جیسے معاملہ کی نظیر پوری روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جب مدینہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارگی قائم فرمادی، ان سے حضرت سعد نے کہا: اے میرے بھائی! میں مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، تم دیکھ کر آدھا مال لے لو، اور میرے نکاح میں دوعورتیں ہیں تمہیں جو پسند ہو اسے طلاق دیدوں، حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت دے، مجھے تو بازار کا راستہ بتادو، پھر باقی حدیث ہے، یہ مضمون مسند احمد کا ہے، بخاری میں أی زوجة هويت کے الفاظ ہیں یعنی جس بیوی کی خواہش ہو، یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ شئت حتیٰ انزل لک عنها یعنی جس کو چاہو تمہارے واسطے چھوڑ دوں۔

سبحان اللہ! کیا پوری انسانی تاریخ میں اس جیسا نمونہ ایثار واخوت مل سکتا ہے، انھیں اتنی بات بھی بہت تھی کہ مال اور دونوں بیویوں میں نصفا نصف کردیتے مگر دیکھو کہ جو تمہیں پسند ہو، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا استغنا بھی

قابل دید ہے کہ اپنا حق چھوڑ دیا اور برکت کی دعا کی، یہ عجیب وغریب ایثار دیکھو اور یہ حیرتناک استغنا! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بشری لباس میں فرشتے ہیں، اللہ نے فرمایا اور سچ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ الحشر: ۹)

اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے اور وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے، اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

غرضیکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ انوکھی خصوصیت ہے جس کی مثال نہ تو دنیا کی کسی قوم میں پائی جاتی اور نہ کسی دین ومذہب میں۔

اب مودودی صاحب کو دیکھو کہ وہ اس عظیم وبے مثال اخلاقی کارنامے کو کیسا بگاڑ کے اور کس درجہ گھٹیا بنا کر پیش کرتے ہیں، اس موقع پر وہ ایسی جگہ کھڑے ہوتے محسوس ہوتے ہیں گویا ان کا دل ایمان سے خالی ہے اور اسلام ومسلمانوں سے انتقام لے رہے ہیں، محاسن اسلام کی بے مثال خصوصیت اور مفاخر انصار کا بے نظیر امتیاز! مودودی صاحب اسے بنی اسرائیل کا ایک رواج قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ انصار نے یہ اخلاق یہودیوں سے حاصل کیا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''اسرائیلیوں کے یہاں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی کہ کوئی شخص کسی کی بیوی

> کو پسند کر کے اس سے طلاق کی درخواست کرے، نہ درخواست کرنے والا اس میں تکلف کرتا اور نہ وہ شخص جس سے درخواست کی جاتی تھی اس پر برا مانتا تھا اور یہ تو ایک عمدہ اخلاق کی بات سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص کسی دوست کو خوش کرنے یا اس کی تکلیف رفع کرنے کیلئے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے نکاح میں دیدے، چنانچہ یہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا جو مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائی کی خاطر اپنی بیویوں کو طلاق دے کر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہوگئے تھے۔ (تفہیمات، ج:۲، ص:۴۷ ’’حاشیہ‘‘)

بھلا یہ ستم ظریفی دیکھو کہ اسلامی حسن اخلاق کو یہودی اخلاق قرار دے ڈالا یعنی یہاں کوئی ایثار ہے اور نہ کوئی کارنامہ، احسان ہے نہ کوئی شرافت، **إنا لله وإنا إليه راجعون** ، یہی ان کے اس دعویٰ کی بنیاد ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اگر اوریا کی بیوی کی محبت میں مغلوب ہو کر اس کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ اسے طلاق دیدے، تو یہ کوئی معیوب اور مذموم بات نہ تھی بلکہ یہ تو ایک اخلاقی ادب تھا، اور یہودی معاشرہ میں بالعموم رائج تھا، انھیں یہ اسرائیلی حکایت تسلیم ہے، البتہ حرمت نبوت کے لحاظ سے اس کو کچھ ہلکا بنا کر پیش کرتے ہیں، اور ذہنوں سے اس کی قباحت مٹا دینا چاہتے ہیں، یہی مودودی صاحب کی تفسیر ہے اور یہی ان کی تفہیم القرآن ہے جس کے مانند کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی، بلاشبہ اس جیسی کوئی تفسیر نہیں مگر خرافات میں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ انصارِ مدینہ بنی اسرائیل کے اخلاق سے متاثر ہو کر اپنی بیویاں چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے تھے؟ کیا انھوں نے یہ عمل عقد مواخات اللہ ورسول کی رضا جوئی میں نہیں کیا تھا؟ اور کیا مودودی صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہود میں مال ودولت، کھیت، جائداد اور گھروں کی تقسیم کا یہ اخلاقی ادب موجود تھا جس

سے انصار متاثر ہوئے؟ آخر اس بندۂ خدا نے مواخات کی حدیثوں اور تاریخ اسلام سے کیوں آنکھیں موندلیں؟ اور اس طرف کوئی اشارہ کیوں نہیں کیا؟ اور کیوں صرف یہودی خصائل کے ذکر پر اکتفاء کیا؟ اور مسلمانوں کے اس ایثار کو فقط یہودی رواج کا اتباع قرار دے کر آگے کیوں بڑھ گئے، افسوس ہے فکر کی اس کجی اور فہم کے اس زیغ پر! **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔**

(۹) کیا حضرت یوسف علیہ السلام ڈکٹیٹر تھے؟

مودودی صاحب نے تفہیمات میں **إجعلنی علیٰ خزائن الارض** کے سلسلے میں لکھا ہے:

> ”یہ بھی وزیر مالیات کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ ”ڈکٹیٹر شپ“ کا مطالبہ تھا، اس کے نتیجے میں سیّدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی تھی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے...... مضمون لکھتے وقت مسولینی زندہ تھا اور اٹلی کا مختار مطلق بنا ہوا تھا...... اس فرق کے ساتھ کہ اٹلی کا بادشاہ مسولینی کا معتقد نہیں بلکہ محض اس کی پارٹی کے اثر سے مجبور تھا، اور مصر میں بادشاہ خود حضرت یوسف علیہ السلام کا مرید ہو چکا تھا۔“ (تفہیمات، ج:۲، ص:۱۲۲)

اس میں کئی باتیں قابل گرفت ہیں۔

(۱) نبی صالح کو دنیا کے بدترین ظالم اور ڈکٹیٹر مسولینی سے تشبیہ بے ادبی کا آخری نقطہ ہے، کون نہیں جانتا کہ عصر حاضر میں ظلم وستم اور بدبختی وشیطنت میں ہٹلر ومسولینی کا مماثل کوئی حکمراں نہیں ہوا، پوری انسانی تاریخ میں ایسے ظالم وجابر حکمراں کم گذرے ہیں۔

(۲) کیا نبی کی شان یہی ہے اور کیا ان کے لئے ممکن بھی ہے، حکومت میں

ڈکٹیٹر بن کر رہیں اور یہ چاہیں کہ اللہ اور یوم آخرت سے نڈر ہو کر من مانی حکومت کرتے رہیں۔

(۳) ایسی ہی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا دل منصب رسالت کے احترام سے قطعاً خالی ہے اور وہ اس کو بھی حکومت واقتدار اور غلبہ وتسلط حاصل کرنے کا ایک دنیوی منصب سمجھتے ہیں، اللہ کی ذات اس سے عظیم تر ہے کہ ظلم وستم پھیلانے کیلئے ڈکٹیٹر بھیجے، ایسا ڈکٹیٹر کہ حکومت واستبداد اسے حاصل ہو اور اس کی باز پُرس نہ قانون کر سکے نہ جمہور۔ انبیاء تو پوری انسانیت میں سب سے بڑھ کر متقی، خدا ترس اور شفیق ہوتے ہیں، امت پر ان کی مہربانیاں بالکل عام ہوتی ہیں گو کہ باعتبار درجات کے اس میں کچھ فرق ہو، تاہم ڈکٹیٹر اور جابرہ کے ساتھ تشبیہ دینا بدترین گستاخی ہے، انبیاء علیہم السلام کی شان میں تعبیرات نہایت حسن ادب سے لانی چاہئیں۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نوازش:

لکھتے ہیں:

> ”موسیٰ علیہ السلام سے قبل نبوت ایک گناہ کا صدور ہوا تھا کہ ایک شخص کو قتل کر دیا، چنانچہ جب فرعون نے اس قتل پر عتاب کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر اعتراف کر لیا کہ: فَعَلْتُهَا إِذاً وَّأَنَا مِنَ الضَّالِّيْنَ۔ (رسائل ومسائل، ج:۲، ترجمان القرآن، مئی تا اکتوبر ۱۹۴۲ء)

اور لکھتے ہیں کہ:

> حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح جیسی ہے جو سلطنت کا استحکام کئے بغیر آگے بڑھتا چلا جائے اور پیچھے بغاوت جنگل کی آگ کی

طرح پھیلتی چلی جائے۔" ترجمان القرآن، ج: ۲۹، ص: ۵، شمارہ: ۴)

ان دونوں عبارتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل، جلد باز فاتح اور گمراہ قرار دیا، حالانکہ یہ قتل خطا تھا اور قصداً نہیں صادر ہوا تھا، اور ضالین میں یہاں ضلال کا وہ معنی نہیں ہے جو کفر اور گمراہی کے ہم معنی اور رُشد وہدایت کی ضد ہے، ہم پہلے واضح کر آئے ہیں کہ کلمات میں لفظاً اشتراک ہوتا ہے (مگر معنی میں بہت فرق ہوتا ہے) ایسی تعبیر قرآن میں خود سرور کائنات، سیّد الانبیاء، امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی موجود ہے، "**ووجدک ضالا فھدیٰ**" کون کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہاں ضلال کا وہی معروف معنی مراد ہے۔

(۱۱) تمام انبیاء زد میں:

مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ:

"انبیاء مقرب ومقبول ہونے کے باوجود بشر اور بندے ہی ہوتے ہیں، ان سے رائے اور فیصلے میں غلطی ہوسکتی ہے، وہ کوئی معبود نہیں ہیں، وہ بیمار بھی ہوتے ہیں، ان پر ابتلائیں بھی آتی ہیں اور انھیں سزائیں بھی دی جاتی ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہوجاتے تھے، انھیں سزا تک دی جاتی تھی۔

(ترجمان القرآن، شمارہ مئی ۱۹۵۵ء، ص: ۱۵۸)

اس کا مطلب قارئین کیا سمجھیں گے؟ یہی تو کہ وہ جرائم کا ارتکاب کرتے تھے اور انھیں سزائیں بھی دی جاتی تھیں، یہ اور اس جیسی عبارتیں انبیاء کے حق میں جو کہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں فطرتاً لوگوں کے دلوں میں یہی تاثر پیدا کرتی ہیں کہ انبیاء بھی عام انسانوں کی طرح ہیں، جیسے عام انسانوں سے غلطیاں اور

قصور سرزد ہوتے ہیں ایسے ہی انبیاء بھی محفوظ نہیں ہیں ، انھیں کوئی خاص خصوصیت حاصل نہیں ہے، انبیاء، صحابہ اور اولیاء کے حق میں ان کا جو بے باکانہ اسلوب اور گستاخانہ لب ولہجہ ہوتا ہے، اس میں یہی روح کام کررہی ہے۔

(۱۲) انبیاء پر دوسری زد:

> ”اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی: **ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ**
> (تفہیمات، ج:۱، ص:۱۶۱، طبع خامس)

اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام نفس کی آفات سے محفوظ نہ تھے، یہاں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ پیغمبروں کے حق میں **ولا تتبع الھویٰ** جیسی عبارتیں امر ونہی کے سلسلے میں جو آئی ہیں (تو یہ کسی غلطی ہوجانے کے سبب سے نہیں بلکہ) ان کی جلالت قدر کے پیش نظر آئی ہیں، ان کا مواخذہ خطرات ووساوس پر بھی ہوجاتا ہے، ان کو اس قسم کی ہدایت بغیر کسی توقع اور انتظار کے دی جاتی تھیں۔ (۱) اس کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر انبیاء کو کسی بات کا امر کیا گیا، یا کسی امر سے منع کیا گیا تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ پیغمبروں نے ضرور کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہوگا جبھی تو یہ احکام ان پر صادر ہوئے، مثلاً رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہے: **ولا تتبع أھواء الذین لایومنون بالآخرۃ** یعنی آپ ان لوگوں کی خواہش پر نہ چلئے جن کا ایمان آخرت پر نہیں ہے، تو کیا کوئی دیوانہ یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خواہشات کا اتباع کرلیا تھا، اس لئے تنبیہ فرمائی، ہرگز نہیں، ایسے ہی حضرت داؤد علیہ السلام سے جو یہ کہا گیا **ولا تتبع الھویٰ** اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انھوں نے خواہش نفس کی پیروی کرلی تھی اسی وجہ سے ٹوکا گیا، یہ فہم تو بس ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی جیسے ”ذہین مفکر“ کو حاصل ہے۔ (مترجم)

(۱۳) بخاری کی روایت کا انکار اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں شرمناک تعبیر:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَأَلْقَیْنَا عَلیٰ کُرْسِیِّهٖ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ، کی تفسیر میں ایک لمبی تفصیل کرنے کے بعد اس کو قرآن کے مشکل ترین مقامات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (اس کی تفسیر میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ) حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا، اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا، مگر یہ بات کہتے ہوئے انشاء اللہ نہ کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے اور اسے بخاری ومسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے...... ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا، لیکن حدیث کا مفہوم صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات اس طرح نہ کہی ہوگی، جس طرح وہ نقل ہوئی ہے...... ایسی روایت کو محض سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے، پھر موصوف نے اس حدیث کی عملی تفسیر میں وہ بھونڈا پن اختیار کیا ہے کہ بے حیائی بھی شرما جائے، کہتے ہیں:

> ”اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمانؑ اس رات بغیر دم لئے فی گھنٹہ ۶/ بیوی کے حساب سے مسلسل دس یا گیارہ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے، کیا

یہ ممکن ہے؟ (تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۳۷)

مودودی صاحب نے اس مضمون کی شرمناک وضاحت جس درجہ بے باکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ کی ہے اس سے روح تھرتھرا اٹھتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، نبی معصوم جس کو اللہ تعالیٰ نے چالیس جنتی مردوں کی قوت عطا فرمائی ہے، اور جنتی مردوں کو دنیا کے لحاظ سے سو آدمیوں کی قوت بحکم حدیث ثابت ہے، اس طرح نبی اپنے اندر چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتا ہے، پھر نبی اور بادشاہ بھی ایسا جو جہاد فی سبیل اللہ کا شائق اور دشمنوں سے قتال کا انتہائی آرزومند رہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد میں بکثرت مجاہد فی سبیل اللہ ہوں اس کی تصویر کشی اس بدترین صورت میں گویا کہ وہ ایک شہوت پرست اور لذت نفس کا گرویدہ انسان ہے اور اپنی طبیعت سے بالکل مجبور ومغلوب ہے ...... افسوس شرم آنی چاہئے ...... آخر اس سے بڑھ کر نبی معصوم اور منصب نبوت کی توہین وتذلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟

مزید برآں یہ کہ وہ ایک صحیح حدیث کا بھی انکار کر ڈالتے ہیں جو کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب میں موجود ہے، محض اس لئے کہ ان کی عقل اس کو قبول نہیں کرتی، وہ اپنی عقل سے اور اپنی جہالت سے اس طرح کی صحیح حدیثوں کو بے دریغ جھٹلاتے رہتے ہیں، تُف ہے ایسی عقل کوتاہ پر (جو اپنی نارسائی پر رونے کے بجائے) رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیح پر تنقید کرے، پھر لطف یہ بھی ہے کہ اس عقدہ کا کوئی حل اور اس اشکال کا کوئی جواب نہیں ذکر کیا، بس معاملہ کو مشتبہ بنا کر رکھ دیا، لکھتے ہیں:

”غالباً آپ نے یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر بطور

> مثال کے بیان فرمایا ہوگا، اور سامع (حضرت ابو ہریرہ ﷛) کو یہ غلطی (۱) لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور ﷺ بطور واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔
> (تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۳۷)

دیکھوتو مودودی صاحب نے کس دیدہ دلیری سے صحابئ رسول کو غلط فہمی میں مبتلا قرار دیا، جب صحابہ ہی (جو آپ کے مخاطب اول تھے) اور امت کے ذکی ترین افراد ہیں، آپ کا کلام نہ سمجھیں تو بھلا کسی نقل وروایت پر اطمینان کا کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔

قارئین بغور ملاحظہ کریں کہ اس شخص نے اپنی اس بے باکانہ تحریر میں نبی معصوم کے حق میں شرمناک، لائق ننگ اور ان کے دامن عصمت کو داغدار بنادینے والی کوئی بات بھی چھوڑی، یہ تمام ہی چیزیں ان کی طرف منسوب کر کے رکھ دیں، اور بیک حملۂ قلم صحابہ پر بھی غلط فہمی بلکہ بدفہمی کی تہمت لگاڈالی۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی شان میں ان کی تحریریں ناقابل تحمل اور گمراہ کن ہیں۔

یہ ہے ان کی ''تفہیم القرآن'' ہماری سمجھ میں یہ کسی طرح نہیں آتا کہ اس کے پڑھنے والوں جو اس پر فریفتہ ہیں ان پر یہ باتیں کیسے مخفی رہ جاتی ہیں، بس یہی بات ہے: **فَإِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِىْ الصُّدُوْرِ**، آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں، بلکہ سینوں کے اندر دل ہی اندھے ہوجاتے ہیں۔

---

(۱) اللہ رے آپ کی فہم ودانائی! حضرت ابو ہریرہؓ تو نہ سمجھے، بعد کے محدثین نے بھی نہ سمجھا اور نہ کسی عقل صریح کے خلاف یہ مضمون ثابت ہوا۔ ساڑھے تیرہ سو سال بعد مودودی صاحب کی عقل صریح کے خلاف یہ مضمون پڑ گیا اور وہ غالباً حضور ﷺ کا منشا بھی پاگئے، حد ہوگئی ادعاء اور خود پسندی کی بھی، افسوس تو اسی پر ہے کہ ایک ہی دانا امت میں پیدا ہوا مگر امت نے قدر نہ کی!

اللہ رحم کرے اس پر جو انصاف سے کام لے کر حق کا راستہ چلے اور تعصب کی راہ چھوڑ دے۔

خلاصہ کلام:

بہر کیف صبح روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ مودودی صاحب نے (اللہ ان کو راہِ حق کی ہدایت فرماوے) بڑے بڑے انبیاء کی تنقیص واہانت کی ہے، چنانچہ حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام کی توہین کی، بلکہ حضرت خاتم النبیین حبیب رب العالمین ﷺ کی شانِ اقدس میں ایسے گستاخانہ کلمات تحریر کئے ہیں جو انتہائی گمراہ کن اور خطرناک ہیں۔

اس مسئلے میں فقہاء امت اور علماء اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے (وہ بالکل ظاہر ہے) مثلاً امام ابو یوسفؒ نے ''**کتاب الخراج**'' میں، قاضی عیاض مالکی نے ''**شفا**'' میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''**الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول**'' میں۔ اس کتاب میں امام موصوف کی وسعتِ علمی بحر ذخار کی مانند لہریں مار رہی ہیں اور موسلا دھار برس رہی ہے۔ امام تقی الدین سبکی شافعی نے ''**السیف المسلول**'' اور فقیہ شام علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی تالیف ''**تنبیه الولاة والحکام علیٰ احکام شاتم خیر الانام أو احد أصحابه الکرام**'' میں نیز امام العصر علامہ انور شاہ محدث کشمیری نے ''**انکار الملحدین فی ضروریات الدین**'' میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آج بھی امت کے سامنے روشن اور قول فیصل ہے، ہر اس شخص کے حق میں جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہے، یا آپ کی تکذیب کرے، یا عیب چینی کرے، یا تنقیص کرے یا

آپ کے علاوہ کسی اور نبی کی بدگوئی سے اپنا اعمال نامہ سیاہ کرے، یہ حکم شرعی ہے جس پر سب متفق ہیں جس کا جی چاہے ان کتابوں کی مراجعت کرلے، یہ سب کتابیں بجز ''**السیف المسلول للسبکی** '' کے شائع ہوچکی ہیں۔

ہمارے خیال میں اس فرصت قلیلہ میں عقلمندوں کے واسطے ''تفہیم القرآن'' اور ''تفہیمات'' پر بطور نمونہ یہ چند تنقیدات بہت کافی ہیں، **واللہ سبحانہ ولی الامور۔**

وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ سیّدنا محمد وعلیٰ إخوانہ من النبیین والمرسلین وعلیٰ الصحابة والتابعین إلیٰ یوم الدین ۔

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ وصیۃ العلوم، الٰہ آباد
۱۸/ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

☆☆☆☆☆☆☆

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) **تسہیل الجلالین** ''شرح اردو جلالین شریف'' (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات: 648 قیمت: 400

(۲) **حدیث دوستاں**

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات: 730 قیمت: 350

(۳) **حدیث دردِ دل**

مجلّہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریے صفحات: 592 قیمت: 300

(۴) **کھوئے ہوؤں کی جستجو**

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات: 616 قیمت: 200

(۵) **حیاتِ مصلح الامت**

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات: 528 قیمت: 150

(۶) **مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات: 312 قیمت: 150

(۷) **بطوافِ کعبہ رفتم** ۔۔۔ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات: 464 قیمت: 300

(۸) **تہجد گزار بندے** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات: 472 قیمت 300

(۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات: 180 قیمت: 70

(۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل

اللہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۲) مودودی صاحب اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۳) حکایتِ ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 400، قیمت: 250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپئے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپئے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپئے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپئے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپئے

(۱۹) دینداری کے دودشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپئے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپئے

(۲۱) اہل حق اوراہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپئے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپئے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین	قیمت ۴۵/روپئے
(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح	قیمت ۳۵/روپئے
(۲۵) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان	قیمت ۲۵/روپئے
(۲۶) تصوف ایک تعارف!	قیمت ۸۰/روپئے
(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت	قیمت ۴۰/روپئے
(۲۸) تکبر اور اس کا انجام	قیمت ۳۰/روپئے
(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب	قیمت ۶۰/روپئے
(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح	قیمت ۳۰/روپئے
(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار	قیمت ۴۰/روپئے
(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم	قیمت ۱۰۰۰/روپئے
(۳۳) نمونے کے انسان	قیمت ۲۵۰/روپئے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786)